

فاتبعونی یحببکم اللہ

آئینۂ رضویات

امام احمد رضا مطلع تاریخ پر



از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

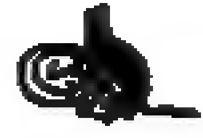
ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

اعزازِ فضیلت

مرتّب

محمد عبدالستار طاہر

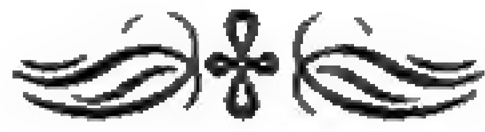
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان



(جلد چہارم)

آئینہ رضویات

امام احمد رضا مطلع تاریخ پر



از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم. اے، پی. ایچ. ڈی
اعزاز فضیلت

مرتب

محمد عبد الستار طاہر

ناشر

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان
25 جاپان مینشن، رضا چوک، ریگل صدر، کراچی، فون: 021-7725150
فیکس: 021-7732369، E.mail: marifraza@hotmail.com

نام کتاب	....	آئینہ رضویات (جلد چہارم)
		﴿امام احمد رضا مطلع تاریخ پر﴾
مصنف	....	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
مقدمہ	....	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مرتب	....	محمد عبد الستار طاہر مسعودی
نگران کمپوزنگ	....	محمد سعید مسعودی مجاہد آبادی
صفحات	....	۱۴۴
سن اشاعت	....	صفر المظفر ۱۴۲۵ھ/اپریل ۲۰۰۴ء
ناشر	....	ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی
تعداد	....	(۱۰۰۰) ایک ہزار
قیمت	....	=/70 روپے

مراکز ترسیل

﴿۱﴾ المختار پبلی کیشنز: 25 جاپان مینشن، رضا چوک، ریگل صدر، کراچی (74400) فون: 7725150

﴿۲﴾ مکتبۂ رضویہ، گاڑی کھاتا، آرام باغ، کراچی۔ فون: 2627897

﴿۳﴾ مکتبۂ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی۔ فون: 4926110

﴿۴﴾ شبیر برادرز، ۴۰ ۔ اردو بازار، لاہور۔ فون: 7246006

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

نکہتِ جاں بخش دارد خاکِ کُوئے گُل رُخاں
عارفاں زانجا مشامِ عشق مشکیں کردہ اند

علمائے نحو نے اسم کی تعریف یہ بتائی ہے کہ وہ کسی شئے کی معرفت کراتا ہے۔ ایک اسم تحریر کرتا ہوں آپ بھی اسے غور سے دیکھیں اور پڑھیں:

''عبد المصطفیٰ محمد احمد رضا''

اس کا ایک ایک لفظ ''بوئے محبت رسول'' ﷺ کا غماز ہے۔ یہ وہ اسم گرامی ہے جو آج اکناف عالم میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی علامت او. عاشقانِ رسولِ مجتبیٰ ﷺ کی شناخت بن چکا ہے۔

کیوں نہ گلشن مری خوشبوئے دھن سے مہکے
باغِ عالم میں ، میں بلبل ہوں ، ثناء خواں کس کا ؟

یہ اس ''تاجورِ سخن'' کا اسم گرامی ہے کہ جس کے ''ملکِ سخن'' کی وسعتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ، جہاں ''نعتِ'' سرورِ دو عالم ﷺ کا نظام نافذ ہے اور جہاں ''عشقِ رسول ﷺ'' کا سکہ چلتا ہے اور جس بھی میدانِ علم وادب کا اس نے رخ کیا تو اُسے وہاں کے وارثانِ علوم مصطفیٰ علیہ السلام نے ''کشورِ علم وادب کے خسرو عالی مقام'' کے لقب سے خوش آمدید کہا۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مُسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھادیے ہیں

آج دنیا اس عاشقِ صادق کو اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملت، حامیِ سنّت، ماحیِ بدعت، امام احمد رضا محدث بریلوی (قدس اللہ سرہ العزیز) کے نام نامی سے پکارتی ہے۔ اعلیٰ حضرت ہمارے محسن ہیں کہ انہوں نے ہمیں محسنِ کائنات فخرِ موجودات، سیدِ عالم ﷺ کی محبت میں جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھایا، سنّتِ رسول ﷺ پر عمل کا طریقہ بتایا۔ وہ عالمِ باعمل تھے۔ دورِ نکبت وادبار میں جب ہم قرآن وحدیث سے دور ہو رہے تھے، بلکہ اندرونی اور بیرونی دشمنانِ اسلام یعنی کافر ومشرک، یہود ونصاریٰ بدقماش، و بدمذہب و بدکلام گستاخانِ رسول روحِ محمد ﷺ ہمارے قلوب سے نکال کر ہمیں گمراہ کرنے کے درپے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت عبدِ مصطفیٰ محمد احمد رضا کو پیدا فرمایا کہ وہ ہمارے دلوں میں قرآنی روح وتصور اور یقین راسخ کریں۔

زحسنت تا بہارِ تازہ گل کرد   رضا یت راغزل خوان آفریدند

اور وہ قرآنی تصور یہ ہے کہ جنّ وانس اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے رسولِ مکرم، جانِ جانانِ عالم ﷺ کی غلامی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں (الذاریٰت :۵۶)۔ یعنی ہم زندہ ہیں تو انہی کے لئے، مریں گے تو انہیں کے دیدار کے لئے اور حشر میں اٹھیں گے تو انہیں پر درود وسلام پڑھنے کیلئے، اس لئے کہ وہی مطلوب ومقصودِ کائنات سے ہیں۔

دھن میں زباں تمہارے لئے ، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے ، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

احمد رضا نے جب تک اس عالمِ آب وگل میں جئے، احمد مجتبیٰ ﷺ کی محبت میں جئے، آپ ﷺ کی مدحت سرائی کرتے رہے، آپ ﷺ ہی کے نغمے الاپتے رہے اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ یہ فرماتے ہوئے سید عالم ﷺ کی محبت کا داغ سینے پر لے گئے کہ ''اگر میرے قلب کو دو ٹکڑے کئے جائیں تو اس کے ایک حصے پر لکھا ہوا پاؤ گے ''لا الٰہ الا اللہ'' اور دوسرے پر ''محمد رسول اللہ'' ﷺ ہے۔

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

یہ تو تھے امام احمد رضا اسم باسمّٰی جنہوں نے ہمیں ''رضائے احمد مجتبیٰ'' کی راہ دکھائی۔ اب آپ اُس ذات گرامی سے بھی متعارف ہوں جنہوں نے ہمیں احمد رضا کے عشقِ سرورِ کونین'' (ﷺ) کے جلوے دکھائے، اس'' تاجورِ سخن'' کے اقلیم کی سیر کرائی اور اس'' عاشقِ سرورِ کونین کی سیرت لکھی''۔ یعنی سراپا ایثار و محبت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نقشبندی، ''مسعود نام، صفت حق و صداقت'' آج جن کا نام نامی بحمد اللہ دینی، علمی اور تحقیقی اقلیمِ سخن کا ایک معتبر و مستند اسمِ گرامی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ کی سیرت و کردار، اندازِ گفتار اور طرزِ تحریر سے ایک عاشقِ مصطفیٰ ﷺ کا عرفان اور اس کے ''عشقِ سرمدی'' کی لذتِ آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ یوں تو ان کی علمی اور تصنیفی زندگی کی ابتداء ۱۹۵۶ء کے اوائل سے ہوتی ہے لیکن بارگاہِ خداوندی سے ان کے قلم کو وقار و تمکنت اور ان کی تحریرات کو عزت و افتخار اس دن سے عطا ہونا شروع ہوا جب ان کا شہوارِ قلم ''ادبی تحقیق کے ریگ زار'' اور ''مدحتِ سنبل و ریحان'' کے خارزار سے گزر کر حصولِ رضائے احمد (ﷺ) کے لئے بحرِ عشق میں غوطہ زن ہوا اور احمد رضا کے چشمۂ آبِ حیوان سے اپنی علمی و تحقیقی تشنگی کو سیراب کرنا شروع کیا۔ اسی ''ریاضتِ عشق'' نے آپ کو ''مسعودِ ملت'' کے تاج کے ساتھ ''مسندِ رضویات'' پر صدر نشین کیا، اور آپ کے قلم کو اعتبار و اعتماد اور نگارشات کو قبول عام کی سند بخشی۔ زیرِ نظر کتاب (مقالہ) ''امام احمد رضا مطلعِ تاریخ پر'' (جو دراصل ''آئینۂ رضویات'' کی چوتھی قسط ہے) قبلہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب حفظہ اللہ الاحد، کی ''عظمتِ رضا سے بے خبری'' تا ''باخبری'' اور پھر آگے کے منازلِ ''عرفان و آگہی'' تک کے اسی سفر کی تفصیل ہے، خود ''ماہرِ رضویات'' کی زبانی مگر بقلم محترم محمد عبدالستار طاہر مظہری سلمہ الباری۔ اگر اس موقع پر مرتب موصوف یعنی محبی و عزیزی محمد عبدالستار طاہر مظہری حفظہ الباری کا تذکرہ نہ کیا جائے تو ناسپاسی ہوگی۔ راقم محترم مظہری صاحب کو ۱۹۸۸ء سے جانتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، تدوین و ترتیب اور تزئین و آرائش تک کے تمام مراحل خود موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے طے کیے ہیں۔ ممدوح موصوف گذشتہ ۲۰؍

سال سے لکھ رہے ہیں، قلم میں روانی وسلاست اور پختگی ہے جوان کے مطالعہ کی وسعت پر دال ہے۔ مزاجاً درویش اور نہایت نیک صالح اور بزرگوں کا بے حد ادب واحترام کرنے والے ہیں ۔ جب احقر نے ان سے ان کے شب و روز کی مشغولیات کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو حیرت ہوئی کہ یہ اللہ والا شخص کب سوتا ہے، کب اٹھتا ہے، کب اسے مطالعہ کا وقت ملتا ہے اور کب یہ تصنیف و تالیف اور تدوین کا کام کرتا ہے ۔ ۲۰ ر گھنٹوں سے زائد ''غمِ روزگار'' کی مصروفیات کے باوجود مطالعہ، تصنیف و تالیف اور تحقیق وتدوین کیلئے وقت نکال لینا ''غمِ عشقِ آمرزگار'' کی کرامت کے علاوہ اسے کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبۂ عشقِ صادق کو سلامت رکھے، اس کے طفیل ان کے دین دنیا کے تمام غم و آلام کو دور فرمائے اور ان کے علم وعمل اور وسائل میں اضافہ فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ ۔ گاہے بگاہے موصوف ادارے پر کرم فرماتے رہتے ہیں ۔ اس سے پہلے بھی آئینۂ رضویات کے حصہ دوم اور سوم کی کتابت، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور اس کی تزئین و آرائش میں موصوف مظہری صاحب نے ادارے کی بڑی معاونت فرمائی تھی ۔ یہ فقیر ذاتی طور پر اور ادارے کے تمام اراکین کی جانب سے زیرِ نظر کتاب کی پیش کش پر محترم عبدالستار طاہر مظہری صاحب کا اور ان کے ساتھ ان سب حضرات کا کہ جنہوں نے موصوف کے ساتھ اس کتاب آئینہ رضویات حصہ چہارم کی تیاری میں کسی قسم کی بھی معاونت کی ہے، شکریہ ادا کرتا ہے۔ جزٰ اھم اللہ خیراً جزائی الدین والدنیا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا مولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ وذریتہ واہل بیتہ وازواجہ اجمعین وبارک وسلّم ۔

تھا ملاقاتِ رضا کا ہمیں اک عمر سے شوق
بارے، آج اس کو مدینہ میں غزل خواں دیکھا

احقر العباد
سید وجاہت رسول قادری
صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (انٹرنیشنل) کراچی

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

سعادتِ لوح وقلم حضرت مسعود ملت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب زید لطفہ اکتوبر ۲۰۰۲ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ جانشین مسعود ملت صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد صاحب مدظلہ العالی نے بھی شہر کی رونق کو دوبالا فرمایا۔

اتفاق سے کنز الایمان سوسائٹی، صدر بازار لاہور کینٹ کے زیر اہتمام ''تاجدار بریلی کانفرنس'' کا انعقاد ہو رہا تھا۔ یہ کانفرنس ایوانِ اقبال، لاہور میں ۲۷ر اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز اتوار منعقد ہوئی ——— قبلہ پروفیسر ڈاکٹر صاحب اور صاحبزادہ مسرور میاں کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھتے ہوئے کانفرنس میں شرکت کے لیے دعوت دی گئی۔ جسے قبول فرما کر قبلہ ڈاکٹر صاحب اور صاحبزادہ مسرور میاں نے حاضرین وسامعین کو اپنے دل پذیر خطابات سے محظوظ فرمایا۔

راقم بوجوہ اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکا، لیکن اس میں قبلہ ڈاکٹر صاحب نے جو خطاب فرمایا، اسے کتابی صورت دینے کے لیے راقم کو ذمہ داری سونپی گئی ——— خطاب کی ریکارڈنگ دستیاب نہ ہو سکی۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے خطاب کی بنیاد جن اشارات پر تھی، انہی اشارات پر احقر نے اس مقالہ کی عمارت اٹھائی۔ یوں تاجدار بریلی کانفرنس اس مقالے کا محرک ثابت ہوئی۔

مقالہ ''**امام احمد رضا مطلع تاریخ پر**'' میں قبلہ ڈاکٹر صاحب کے شاہراہ رضویت پر گامزن ہونے کی روئیداد بیان کی گئی ہے ——— ۱۹۶۹ء سے دسمبر ۲۰۰۲ء تک کا حاصل مطالعہ آپ کے ہاتھ میں ہے ——— اس میں یقیناً کئی کمیاں ہوں گی، اسے راقم کی کوتاہی اور نااہلی پر محمول فرماتے ہوئے درگزر فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کیا تعریف وتوصیف بیان کی جائے اعلیٰ حضرت تو:

- ——— عاشقِ آقائے نامدار (ﷺ) ہیں،
- ——— دیوانہ وفرزانۂ تاجدار کون ومکاں ہیں،
- ——— عشقِ رسول ﷺ کی آبرو ہیں،

● ——— سراپا عشق ہیں، مجسم محبت ہیں۔

مولیٰ کریم ہم سب کو آپ کے دامنِ لطف و کرم سے وابستہ رکھے، جس مقصد کے لیے آپ عمر بھر کوشاں رہے، اس مقصد کو ہم اپنا مقصد حیات بنائیں۔ آپ کے عمل کی روشنی میں اپنے اعمال کو آراستہ کرنے کے لیے تگ و دو کریں ——— آپ کے ارشادات کو حرزِ جاں بنا کر اپنی عاقبت کی بہتری کے لیے گامزن ہوں۔

ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی قبلہ ڈاکٹر صاحب کے اس سفر تحقیق کو آپ کے ذوق کے لیے منظر عام پر لا رہا ہے۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی تاسیس ہی اشاعت و فروغ رضویات کے لیے ہے۔ ادارہ کی ملکی و عالمی سطح پر کاوشیں اظہر من الشمس ہیں۔ حال ہی میں ادارہ ہذا کی بھرپور اور پر خلوص مساعی سے جامعہ از ہر مصر میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر تحقیق کی داغ بیل ڈالی گئی ہے اور یوں گویا دبستاں کھل گیا ہے۔ اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک! ۔ زیر نظر مقالے کی اشاعت کے لیے محرکین و موئیدین کے ہم مشکور ہیں۔

قبول افتد زہے عزوشرف

ناسپاسی ہوگی اگر یہاں برادرم محمد سعید مسعودی صاحب زید مجدہٗ (ناظم ادارہ مظہر اسلام، لاہور) کا ذکر نہ کیا جائے ——— اُن کی پر خلوص مساعی اور ذاتی دلچسپی کے باعث یہ مقالہ قلیل عرصے میں کمپوز ہو سکا۔ انہوں نے علالت اور نجی مصروفیات پر ترجیح دیتے ہوئے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقے یہ پُر خلوص مساعی قبول فرمائے، اور ان کی سچی سچی محبت عطا فرمائے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق رفیق و صدیق عطا فرمائے۔ اور اپنے محبوب اعظم ﷺ کے توسل قبلہ ڈاکٹر صاحب کے الطافِ کریمانہ سے دائم بہرہ ور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

خاکپائے صاحبدلاں

محمد عبدالستار طاہر

لاہور کینٹ

۶ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ، بروز دوشنبہ

۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء

باب نمبر ۱

سفر ہے شرط ....

عظمتِ رضا سے بے خبری

راقم ۱۹۵۷ء سے برابر لکھ رہا ہے۔ ۱۹۶۹ء تک امام احمد رضا کے مطالعے سے محروم رہا ——اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ:

''ماسوائے والد ماجد حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ، راقم کے بیشتر اساتذہ کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا مخالفین کے موئیدین سے رہا۔''

لیکن جب ۱۹۷۰ء میں مطالعہ کا آغاز کیا تو ایک اور عالم نظر آیا، جس نے حیران و ششدر کر دیا—— اللہ اکبر! —— حقیقت کیا تھی اور کیا بتایا گیا——اب جوں جوں مطالعہ کرتا ہوں، حیرانگی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

مطالعہ و مشاہدہ، نیک و بد اور خیر و شر کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہے۔ پروپیگنڈے سے کچھ وقت کے لیے خیر کو شر اور نیک کو بد بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے، مگر ہمیشہ کے لیے نہیں، مطالعہ کے بعد جب جہل و لاعلمی کے پردے اٹھتے ہیں تو مطلع صاف نظر آنے لگتا ہے—— تو دیکھنے والوں نے دن کی روشنی میں دیکھا اور بہت کچھ لکھا اور شائع کیا۔[1]

محرکات و عوامل (پس منظر):

امام احمد رضا پر کام کے آغاز کی بنیاد (۲) دو پہلو ہے:

1. ——ایک تو مخلص حضرات کی تحریک تھی،
2. ——دوسرا حالات کا عمل دخل بھی تھا۔

چنانچہ ہم ہر دو پہلوؤں کو قبلہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

چند حضرات کی تحریک:

اس ضمن میں چند مخلص شخصیات کے نام سامنے آتے ہیں:

---

[1] پیش لفظ ''گناہ بے گناہی'' مطبوعہ کراچی۔

❶ —— شیخ محمد عارف قادری ضیائی (صدر مرکزی مجلس رضا، لاہور)

❷ —— حکیم محمد موسیٰ امرتسری (بانی مرکزی مجلس رضا، لاہور)

❸ —— علامہ محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری بانی مرکزی مجلس امام اعظم

جیسا کہ آپ نے ایک خط میں لکھا ہے:

''۱۹۷۰ء تک راقم کو لکھتے ہوئے چودہ سال ہو چکے تھے۔ راقم کے تحقیقی مضامین پاک و ہند کے علمی جرائد میں شائع ہو رہے تھے لیکن سن مذکور (۱۹۷۰ء) میں:

● —— محترم حکیم صاحب (محمد موسیٰ امرتسری) علیہ الرحمہ،

● —— علامہ محمد عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری علیہ الرحمہ [۱] اور

● —— شیخ محمد عارف قادری ضیائی،

نے راقم کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کیا۔ یہ توجہ راقم کی علمی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی —— آج (۱۹۹۱ء) سولہ برس ہو گئے راقم کا مرکزی موضوع تحقیق امام احمد رضا ہی ہے —— سچ ہے:

ع مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق [۲]

''۱۹۶۹ء میں شیخ محمد عارف قادری ضیائی سے راقم کے مراسم شروع ہوئے، جب بقول حکیم محمد موسیٰ امرتسری وہ مرکزی مجلس رضا کے بانی تھے، موصوف نے فقیر کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کیا۔ [۳]

''مارچ ۱۹۷۰ء میں کوئٹہ کے زمانہ قیام کے دوران صدر مرکزی مجلس رضا، لاہور کا ایک گشتی مراسلہ ملا۔ جس میں تحریر تھا:

۱۔ علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری ۲۸ رجمادی الاول ۱۴۱۴ھ / ۱۴ نومبر ۱۹۹۳ء بروز اتوار، لاہور میں انتقال کر گئے۔

۲۔ محمد عبداللہ قادری، سید: حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء (مکتوب گرامی محررہ ۱۴/۱۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء بنام مصنف)

۳۔ تقدیم ''سیدی ضیاء الدین احمد قادری'' محررہ

''اراکین مجلس رضا کی نگرانی میں ایک مجموعہ مقالات بعنوان ''انوارِ رضا'' شائع ہو رہا ہے۔ جس میں فاضل بریلوی پر مشاہیر علماء وفضلاء کے مضامین شامل ہوں گے۔ اس لیے فاضل بریلوی کے کسی ایک پہلو پر مقالہ قلم بند کیا جائے۔''

کچھ عرصہ پہلے جناب اختر شاہجہان پوری نے بھی ایک مقالے کی فرمائش کی تھی۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے راقم نے معذرت پیش کر دی تھی۔ مگر اختر صاحب نے مئی ۱۹۷۰ء میں پھر تقاضا فرمایا ——— چنانچہ ان دونوں حضرات کی محبت و اخلاص اور فاضل بریلوی سے راقم کے تعلق خاطر نے مجبور کر دیا کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔''[۱]

محسنین اہل سنت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور علامہ محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری مظہری کی تحریک پر ۱۹۷۰ء میں راقم نے امام احمد رضا پر کام کا آغاز کیا ——— یہ وہ زمانہ تھا جب جامعات و کلیات اور تحقیقی اداروں میں محققین اور دانشور امام احمد رضا کے علمی مقام سے واقف نہ تھے۔ بلکہ ان اداروں میں امام احمد رضا کا ذکر و فکر بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور خود راقم بھی حقائق سے باخبر نہ تھا، لیکن جب ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا کے حالات اور علمی خدمات پر تحقیق شروع کی تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے راقم ایک عظیم الشان خزانے تک پہنچ گیا ہو۔ جو نہ معلوم کب سے زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا ——— ۱۹۷۰ء سے اب تک (۱۹۷۹ء) انیس سال گزر چکے ہیں۔ یہ خزانہ برابر نکلے چلا آ رہا ہے اور نہ جانے کب تک نکلتا رہے گا ——— اس خزانے کے علمی جواہرات جب بازار عالم میں جوہر شناسوں کے سامنے پیش کیے گئے تو ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ جہاں سناٹا اور ہُو کا عالم تھا، وہاں ایسی چہل پہل ہو گئی کہ آبادیاں رشک کرنے لگیں۔''[۲]

حالات کا عمل دخل:

مخلصین کی تحریک کے ساتھ ساتھ جہان رضا کی سیر کے لیے حالات کا بھی اچھا

۱۔ پیش لفظ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

۲۔ حرف آغاز ''گویا دبستان کھل گیا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

خاصا عمل دخل ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

''فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے مگر علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جاسکا —— جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو بڑی حد تک بالکل نابلد ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں جہاں یہ راقم بھی موجود تھا، ایک فاضل نے فرمایا:

''مولانا احمد رضا خاں کے پیرو تو زیادہ تر جاہل ہیں۔''

گویا آپ جاہلوں کے پیشوا تھے۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون! [۱]

احقر نے اس واقعہ کے بارے میں آپ سے استفسار کیا تو فرمایا:

''کوئٹہ میں سندھ یونیورسٹی کے اساتذہ کو عصرانہ پر بلایا تھا۔ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کا ذکر چل نکلا —— پھر امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا ذکر نکل آیا، جس پر ایک سینئر استاد نے فرمایا:

''وہ جاہلوں کے امام!''

یہ جملہ ایک تازیانہ ثابت ہوا'' [۲]

''۱۹۵۷ء سے راقم مسلسل لکھ رہا ہے لیکن امام احمد رضا کی سوانح اور علمی و سیاسی خدمات کی تحقیق کی طرف ۱۹۷۰ء میں متوجہ ہوا، جب یہ دیکھا کہ:

- —— ارباب علم و دانش دانستہ یا نادانستہ اس طرف سے پہلو تہی کر رہے ہیں، اور
- —— غلط فہمیوں کی برابر تشہیر کی جارہی ہے،

تو شرم و ندامت کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے جس کے تلے ہمارے محققین و مؤرخین دب رہے تھے، اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اور یہ فرض کفایہ ادا کرنا پڑا'' —— [۳]

اس پس منظر میں حضرت مسعود ملت کا قلم گویا امام احمد رضا کے لیے وقف ہو کر رہ گیا

۱۔ پیش لفظ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

۲۔ مکتوب گرامی بنام محمد عبدالستار طاہر، لاہور، محررہ ۲۰ مارچ ۱۹۹۰ء

۳۔ ابتدائیہ ''تنقیدات و تعاقبات امام احمد رضا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

——اپنوں کی بے اعتنائی اور پڑھے لکھے حضرات کی تنگ نظری، کوتاہ علمی اور تعصب سے بہت افسوس ہوا—— لیکن یہی منفی رویہ ایک نئے سفر کا نکتہ آغاز ثابت ہوا—— جس نے حضرت مسعود ملت کے لیے تحقیق کی نئی راہیں کھول دیں—— یک طرفہ انداز فکر (One way thought) نے آپ کو بہت کچھ سوچنے اور بہت کچھ کرنے پر مجبور کردیا—— یوں کہیے کہ حالات نے از خود آپ کو اس طرف کھینچ لیا—— مدرس اور عالم فاضل ہونے کی حیثیت میں معلمین کا یہ اخلاقی فرض بنتا ہے کہ پلیٹ میں رکھ کر پیش کی جانے والی تاریخ کا ایماندار ی سے جائزہ لیں—— اگر وہ سچائی کے علمبردار ہیں تو سچائی پیش کریں، جھوٹ کی ملمع سازی سے حقائق نہیں چھپا کرتے۔

چنانچہ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے تہیہ کرلیا کہ وہ امام احمد رضا کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرتے ہوئے حقائق کا کھوج لگائیں گے—— تاریخ کے چہرے پر پڑی گرد کی دبیز تہیں ہٹا کر اصل خدوخال سامنے لائیں گے—— تادم تحریر امروز آپ کا قلم ہے اور امام احمد رضا کی شخصیت ہے—— سفر رواں دواں ہے—— ۱۹۸۳ء تک آپ کے متعدد تحقیقی مقالات شائع ہو چکے تھے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

''چنانچہ راقم نے گزشتہ بارہ برسوں میں امام احمد رضا پر تقریباً بیس مقالات پیش کیے جو شائع ہو چکے۔''[۱]

آپ سے پہلے:

۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ اس نے نوری مسجد ریلوے اسٹیشن لاہور پر ''یوم رضا'' منانے کا آغاز کیا۔ جس میں علماء وفضلاء امام احمد رضا کے حوالے سے اظہار خیال کرتے۔ یوم رضا میں پڑھے گئے مقالات وخطبات کو مجموعی شکل میں شائع کیا گیا۔ جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا:

''مولانا قاضی عبدالنبی کوکب صاحب (شعبہ علوم شرقیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

---

[۱] ابتدائیہ ''تنقیدات وتعاقبات امام احمد رضا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

نے ''مقالات یوم رضا'' ترتیب دے کر ا ے۔ ۱۹۶۸ء میں تین مجلدات میں لاہور سے شائع کیے۔''[1]

مرکزی مجلس رضا، لاہور:

تقریباً ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور کے قیام کے بعد محسن اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تحریک سے رضویات پر تسلسل سے کام شروع ہوا۔ جو اب تک جاری ہے[2]

پاک و ہند میں مرکزی مجلس رضا ہی ایسا واحد ادارہ ہے جس نے سب سے پہلے ناساعد حالات کے باوجود امام احمد رضا سے متعلق صالح لٹریچر بلا قیمت پیش کیا، اور پاک و ہند کے علاوہ مختلف ممالک میں متعارف کرایا۔ مجلس کے روحِ رواں حکیم محمد موسیٰ امرتسری اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں، مگر

ع صلۂ شہید کیا ہے، تب و تاب جاودانہ [3]

مجلس رضا نے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پر بہت مفید لٹریچر شائع کیا ہے اور پاک و ہند نیز بیرونی ممالک میں اس کو پھیلا کر ایک ایسے طبقے میں فاضل بریلوی کا تعارف کرایا جو اس سے پہلے نابلد تھا۔ فی الحقیقت یہ بہت بڑا کام تھا جو بانی مجلس رضا کے اخلاص اور لگن کی وجہ سے بہت تھوڑے وقت میں ہو گیا اور برابر آگے بڑھ رہا ہے۔

ع اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے [4]

مرکزی مجلس رضا، لاہور مبارک باد اور تحسین و آفرین کی مستحق ہے کہ وہ خلوص نیت کے ساتھ اپنا فریضہ بحسن و خوبی انجام دے رہی ہے۔ اور ایسی مطبوعات سامنے لا رہی ہے جو اہل دانش کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔ امید ہے کہ وہ اس سنجیدگی اور وقار کو برقرار رکھے گی۔

۱۔ تقدیم ''خیابانِ رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء

۲۔ تقدیم ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' جدید ایڈیشن، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

۳۔ حرف آغاز ''حیات امام اہل سنت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء

۴۔ تقدیم ''خیابانِ رضا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء

اس مجلس کے روح رواں حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہیں جو نہایت خاموشی سے علمی خدمات انجام دے رہے ہیں ـــــ ان کی غائبانہ محبت و اخلاص نے راقم کو اتنا متاثر کیا کہ محض رضائے الٰہی کے لیے ایک سال کے اندر اندر یہ تحقیقی مقالہ مرتب کیا۔ حالانکہ دوسرے مقالات تسوید و تبیض کے لیے عرصے سے منتظر تھے۔ مگر فیض رضا کی کرامت کہیے کہ تمام دینوی علائق سے منقطع کر کے اپنی طرف ایسا کھینچا کہ کھینچتا ہی چلا گیا۔

ع گاہ بحیلہ می برد گاہ بزور می کشد

عشق کی ابتداء عجب، عشق کی انتہا عجب [۱]

محسن اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ اہل سنت کی آبرو اور اہل سنت کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ آپ کا اہم علمی اور اعتقادی کارنامہ مرکزی مجلس رضا، لاہور کا قیام ہے۔ جس کی وجہ سے:

- ـــــ پاک و ہند کی علمی فضائیں امام احمد رضا کے ذکر و اذکار سے گونجنے لگیں،
- ـــــ تاریکیاں چھٹنے لگیں، روشنیاں پھیلنے لگیں،
- ـــــ امام احمد رضا کے یوم منائے جانے لگے،
- ـــــ مجالسِ مذاکرہ منعقد ہونے لگیں،
- ـــــ پاک و ہند، یورپ و امریکہ اور افریقہ کی جامعات میں ریسرچ ہونے لگی،
- ـــــ عالمی اور علاقائی سطح پر مقالہ نگاری کے مقابلے ہونے لگے،
- ـــــ مجلس رضا کی شاخیں ملک و بیرون ملک پھیلنے لگیں،
- ـــــ نئے نئے علمی ادارے اور مکتبے قائم ہونے لگے،
- ـــــ اہل سنت کی کتابیں اس طرح مارکیٹ میں آنے لگیں، بقول ماہر تعلیم سید الطاف علی بریلوی مرحوم: "جیسے بارش ہو رہی ہو"۔

[۱] تقدیم "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

نوٹ:۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۱۹۹۹ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔

بلاشبہ حکیم صاحب ابرِ بہار بن کر اہل سنت کی فضا پر چھاگئے، اور اہلِ سنت میں حیرت انگیز بیداری پیدا کی —— کوئی داد دے یا نہ دے، وہ ہر داد وتحسین سے بے نیاز ہیں۔ ان کا عظیم کام ہی بجائے خود اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے۔ آمین!

قبلہ حکیم صاحب کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی سے پاک و ہند میں نہ معلوم کتنے قلمکار پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایک ایسا چراغ روشن کیا جس کی روشنی سے نہ صرف پاک و ہند بلکہ دوسرے ممالک بھی جگمگانے لگے۔ یہ روشنی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ دشمن بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنا نور پھیلا کر ہی رہے گا۔[1]

مرحلہ وار تحقیق:

امام احمد رضا پر ۱۹۶۹ء سے شروع ہونے والا تحقیقی سفر تادم امروز جاری ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کی نگارشات میں جابجا مرحلہ وار تحقیق کے نظائر ملتے ہیں، جن سے رضویات پر رفتار کار کا اندازہ ہوتا ہے:

● —— دس برس میں:

راقم گزشتہ دس سال سے امام احمد رضا خاں بریلوی پر تحقیق کر رہا ہے، کوشش یہ رہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ نامعلوم باتیں سامنے آئیں، تاریکیاں دور ہوں، روشنیاں پھیلتی جائیں —— اسی جذبے کے تحت ان حضرات سے رابطہ کیا گیا جو امام احمد رضا سے بالواسطہ یا بلاواسطہ مستفیض ہوئے —— امام احمد رضا پر پچھلے دس پندرہ سالوں میں پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں کافی کام ہوا۔ جس کی تفصیلات خود ایک مقالے کی مقتضی ہیں، مگر بیشتر لکھنے والوں نے معلوم باتوں کی طرف توجہ دی اور نامعلوم باتوں کو تلاش نہ کیا۔ اس لیے اتنا کچھ لکھے جانے کے باوجود ابھی اس کا عشر عشیر بھی سامنے نہیں آیا جو اہلِ علم کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔

[1] محمد عبداللہ قادری، سید: حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء (مکتوب گرامی محررہ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۸۶ء بنام مصنف)

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ راقم گزشتہ دس سال سے امام احمد رضا پر تحقیق کر رہا ہے۔ لیکن یہ اعتراف کرنے میں کوئی خفت محسوس نہیں کرتا کہ اتنی طویل مدت گزر جانے کے باوجود امام احمد رضا کی شخصیت وعلمیت سے کماحقہٗ واقفیت حاصل نہیں کر سکا۔ مطالعہ وتحقیق کے ساتھ ساتھ یہ احساس ابھرتا جاتا ہے کہ چودھویں صدی کے نصف اول میں امام احمد رضا ہی ایسی واحد شخصیت کے مالک تھے جس کا ہر پہلو ایک بحرِ بے کراں معلوم ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ معاصرین کو دیئے جانے والے تمام القاب کے جامع ہیں:

- ــــــ وہ ''امام ربانی'' بھی ہیں، وہ ''شیخ الھند'' بھی ہیں،
- ــــــ وہ ''سحبان الھند'' بھی ہیں، وہ ''امام الھند'' بھی ہیں،
- ــــــ وہ ''حکیم الامت'' بھی ہیں، وہ ''رئیس الاحرار'' بھی ہیں،
- ــــــ وہ ''شاعرِ مشرق'' بھی ہیں، وہ ''شیخ الاسلام'' بھی ہیں۔

بیک وقت وہ بہت کچھ ہیں، یہ مبالغہ نہیں۔ شاید دس برس قبل راقم کو بھی یہ باتیں مبالغہ معلوم ہوتیں لیکن عین الیقین اور علم الیقین کے بعد مبالغہ نہ رہیں۔

امام احمد رضا علوم عقلیہ میں مہارت کے لحاظ سے ابو نصر فارابی، ابنِ سینا، ابو ریحان البیرونی، ابنِ رُشد، عمر خیام وغیرہ کی فہرست میں آتے ہیں، بلکہ بعض خصوصیات میں ان مشاہیر سے بھی آگے نظر آتے ہیں ــــــ امام احمد رضا کی وسعت علم کو دیکھتے ہوئے ان بندگانِ خدا پر تعجب ہوتا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے علم میں کلام کرتے ہیں ــــــ ذرا غور تو کریں جب ان کے غلاموں کی وسعتِ علم کا یہ عالم ہے تو آقائے دو جہاں کے علم کا کیا عالم ہو گا! ــــــ سچ تو یہ ہے کہ امام احمد رضا علمِ رسول ﷺ کی وسعت کے لیے دلیل و برہان اور ایک کھلا معجزہ ہیں ــــــ الغرض امام احمد رضا پر مطالعہ وتحقیق کا یہ عالم ہے کہ

ع مجبور یک نظر آ، مختار صد نظر جا!

ا۔ حرف آغاز ''اکرام امام احمد رضا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

حقیقت میں مولانا احمد رضا بریلوی کی شخصیت اتنی ہمہ گیر ہے کہ سیرت کے تمام پہلوؤں کو سمیٹنا شخص واحد کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے ایک ادارے کی ضرورت ہے جو خلوص و لگن کے ساتھ کام کرے اور مخیر حضرات یا حکومت کا اس کو تعاون حاصل ہو ——— گزشتہ دس برسوں میں راقم نے مولانا بریلوی پر کچھ کام کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز ساحل سمندر تک بھی رسائی حاصل نہیں ہو سکی۔ مطالعہ کے ساتھ ساتھ مولانا احمد رضا بریلوی کی شخصیت تابناک ہوتی جاتی ہے اور حیرت بڑھتی جاتی ہے۔[1]

بارہ برس میں:

امام احمد رضا کی شخصیت آج سے دس بارہ سال قبل جدید تعلیم یافتہ طبقے میں کچھ انجانی سی تھی لیکن اب وہ اس طبقے میں جانے پہچانے ہیں۔ ان کے حالات و افکار پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جا رہا ہے ——— ایک محتاط اندازے کے مطابق ان پر اب تک پانچ سو سے زیادہ مقالات و مضامین شائع ہو چکے ہیں، رسالے اور کتابیں الگ رہیں۔[2]

چنانچہ راقم نے گزشتہ بارہ برسوں میں امام احمد رضا پر تقریباً بیس مقالات پیش کئے جو شائع ہو چکے ہیں۔

علمی حلقوں نے جب حقائق و شواہد کو واشگاف ہوتے دیکھا تو رفتہ رفتہ اس طرف متوجہ ہوئے اور علم و دانش کی وہ محفل جہاں ہر شخص دم بخود نظر آتا تھا، اب وہاں سب بولنے لگے اور ایک عجیب رونق ہو گئی۔

ع گئے وہ دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں[3]

---

[1] تقدیم "حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء

[2] تقدیم "شریعت و طریقت" مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء

[3] ابتدائیہ "تنقیدات و تعاقبات امام احمد رضا" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

تیرہ برس میں:

اصل میں بات یہ ہے کہ گزشتہ تیرہ برس میں امام احمد رضا کا شہرہ پاک و ہند سے گزر کر دیار مشرق و مغرب میں پھیل چکا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات ان حضرات کو پسند نہیں جو امام احمد رضا کو بقول خود دفن کر چکے تھے۔ اب امام احمد رضا کے آفتاب فکر کے سامنے ان کا چراغ فکر ٹمٹمانے لگا ——— یہ بات کس کو گوارا ہو سکتی ہے کہ کسی کی گرم بازاری کے باعث اس کا بازار سرد ہو جائے۔[۱]

چودہ برس میں:

امام احمد رضا کے فکر کا ہر گوشہ تحقیق و تدقیق کا مقتضی ہے، اور الگ الگ مقالے کا محتاج ہے ——— راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے چودہ سال گزر چکے ہیں، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ساحل سمندر تک بھی رسائی نہیں ہو سکی، شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے۔ امام احمد رضا کی شخصیت بزبانِ حال یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے:

ع
دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

بلاشبہ امام احمد رضا کا ایوانِ علم و دانش ایک ایسا حیرت کدہ ہے کہاں زمانے کے بڑے بڑے دانشور گم ہوتے نظر آتے ہیں۔[۲]

سولہ برس میں:

راقم سولہ برس سے امام احمد رضا کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اتنی مدت ایک انسان کو سمجھنے کے لیے کم نہیں۔ راقم نے محسوس کیا کہ امام احمد رضا کا ظاہر و باطن ایک ہے ——— ان کے دل، ان کے دماغ، ان کی زبان، ان کے اقوال، ان کے اعمال میں ایسی یک رنگی ہے جو انیسویں بیسویں صدی میں پیدا ہونے والی کسی مذہبی جماعت کے قائد و رہنما میں نہیں۔

---

[۱] تقدیم "امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری"، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء

[۲] تقدیم "فقیہہ اسلام" مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء

امام احمد رضا کی نظر ماضی پر بھی تھی، حال پر بھی اور مستقبل پر بھی۔ ایسا عظیم مدبر و مفکر ماضی قریب میں نظر نہیں آتا۔ ان کے دل میں عشق مصطفےٰ علیہ السلام کی آگ سلگ رہی تھی، دہک رہی تھی، ایسا جلتا ہوا پھکتا ہوا سینہ کسی کا نہ تھا۔ [1]

بیس برس میں:

امام احمد رضا اس طبقہ علماء کی نمائندگی کرتے تھے جس نے دور آزادی میں ملت اسلامیہ کی ساکھ کو قائم رکھا۔ ان کا تعلق سواد اعظم اہل سنت و جماعت سے تھا، جس کو آج عرف عام میں ''بریلوی'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ نام بقول ابو یحییٰ نوشہروی:

''علمائے اہلِ حدیث کا مرہونِ منت ہے۔''

تقریباً ایک صدی قبل عالم اسلام کے وہی عقائد تھے جن کی تعلیم امام احمد رضا نے دی۔ بعد میں مستغربین نے اپنی اپنی سیاسی ضرورتوں کے مطابق اہلِ سنت ہی میں بعض سے افراد کو توڑ کر مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا اور یوں انتشار پھیلتا چلا گیا، جو ابھی تک پھیلتا جا رہا ہے

اس وقت اتحاد عالم اسلامی کی ضرورت ہے جس کے لیے امام احمد رضا نے اپنے نام و ناموس کی پرواہ نہ کی۔ اتحاد عالم اسلامی مختلف فرقوں کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے سے حاصل ہوگا۔ جہاں یہ افکار دو صدی قبل جمع تھے۔ حقیقی اتحاد کے لیے فکری اتحاد ضروری ہے اور امام احمد رضا نے اس کے لیے سعی فرمائی —— تحقیق سے یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی کہ:

''موجودہ دور کے تمام فرقوں کے اکابر اور اجداد کا تعلق اسی سواد اعظم اہلِ سنت سے رہا ہے جس کی امام احمد رضا نمائندگی کرتے تھے —— پھر رفتہ رفتہ اصاغر نے اکابر اور اخلاف نے اسلاف کی راہ چھوڑ کر اپنی اپنی راہیں بنا لیں اور انتشار کا شکار ہوگئے۔''

---

[1] تقدیم ''رہبر و رہنما'' مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء

امام احمد رضا اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت تھے، اس رحمت کا چرچا ہونا چاہیے، اور مسلمان کہلانے والے سب فرقوں کو اپنے موجودہ افکار و عقائد کا جائزہ لے کر اپنے ان اکابر و اجداد کی پیروی کرنی چاہیے جو سلف صالحین کی راہ پر چلتے رہے۔ یہ وہی راہ ہے جس کو امام احمد رضا نے گہری سوچ اور بصیرت کے بعد ملتِ اسلامیہ کے لیے متعین کیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہ کرنی چاہیے، انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ دانا آدمی تاریخ کی روشنی میں غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے، نادان ضد پر قائم رہتا ہے اور اپنی انا کی خاطر مخلوقِ الٰہی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے

قیادت کے لیے دانا و بینا قائد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بصیرت سے محروم جذباتی قیادت ملت کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے —— امام احمد رضا اپنے عہد کے عظیم مدبر و مصلح تھے —— ان کی قیادت کی آج بھی ملتِ اسلامیہ کو ضرورت ہے۔ ان جیسا دانا و بینا نہ ان کے دور میں تھا، نہ اب نظر آتا ہے۔

بیس برس مطالعہ کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اگر عالم اسلام امام احمد رضا کے افکار و عقائد کو رہنما اصول کے طور پر اپنا لے تو اتحاد عالم اسلامی کا خواب حقیقت کا روپ اختیار کر سکتا ہے[۱]

عاشق رسول سے دربار رسول تک:

راقم ۱۹۷۰ء سے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ پر مسلسل لکھ رہا ہے، اور براعظم ایشیا، براعظیم افریقہ، براعظم یورپ، براعظم امریکہ وغیرہ کی جامعات اور تحقیقی اداروں میں جو فضلاء و محققین امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر کام کر رہے ہیں، ان کی علمی خدمت کر رہا ہے —— اسی خدمت کا یہ فیضان ہے کہ رفتہ رفتہ حضور انور ﷺ کی مبارک سیرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گیا —— عاشقِ صادق کی پہچان یہی ہے کہ وہ اپنے چاہنے والے کو معشوق کی طرف متوجہ کر دے[۲]

۱۔ تقدیم ''فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی موازنہ'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۰ء

۲۔ تقدیم ''جانِ ایمان'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

بائیس برس بعد:

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ عالم اسلام کے عظیم ''دانائے راز'' تھے۔ان کی مومنانہ فراست و بصیرت اپنے زمانہ سے آگے دیکھتی تھی ——— انہوں نے جو کچھ کہا مستقبل نے تصدیق کی ——— وہ کون تھے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ——— ہم نے آج تک ان کو نہ جانا نہ پہچانا ——— بائیس سال مسلسل مطالعے کے بعد یہ راز کھلا کہ:

''وہ علم و دانش کا ایک سمندر تھے''۔

——— ہم ابھی تک اس سمندر کے ساحل تک بھی نہ پہنچ سکے۔

امام احمد رضا کی شخصیت و فکر پر جو پردے پڑے ہوئے تھے، ان کو اٹھانے کے لیے راقم نے ۱۹۷۰ء سے امام احمد رضا کو موضوع تحقیق بنا دیا اور امام احمد رضا کی تلاش میں چل پڑا ——— اب تک چل رہا ہوں، پانے کی جستجو میں لگا ہوا ہوں ——— ایک منزل آتے ہی دوسری منزل نظر آنے لگتی ہے ——— شوق قلم کا رفیق سفر ہے، رواں دواں رکھتا ہے ——— اب تک نہ معلوم کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور کتنے مقالے قلم بند کیے جا چکے ہیں، مگر قلم کا سفر ہنوز جاری و ساری ہے، اور نہ معلوم کب تک جاری رہے۔

راقم نے امام احمد رضا پر جو خصوصی مقالات قلم بند کیے ہیں، ان میں مندرجہ ذیل چھ مقالات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

1. مقالہ برائے شعبہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
2. مقالہ برائے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پیرس (فرانس)
3. مقالہ برائے پاکستان نیشنل ہجرہ کونسل، اسلام آباد
4. مقالہ برائے ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
5. مقالہ برائے اکیڈمی آف اسلامک سویلیزیشن اینڈ ریسرچ، عمان (اردن)
6. مقالہ برائے انسائیکلوپیڈیا آف اسلامیکا فاؤنڈیشن، تہران (ایران)[1]

---

[1] تقدیم ''محدث بریلوی'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

تئیس سال بعد:

حضرت رضا بریلوی کے نغموں نے لڑکپن ہی سے دل میں گھر کر لیا تھا، پھر ایک مدت بعد ۱۹۷۰ء میں وہ مبارک گھڑی بھی آئی جب پہلی بار حضرت امام احمد رضا بریلوی پر قلم اٹھایا، پھر قلم چلتا رہا، اور آج (۱۹۹۳ء) تئیس سال گزر چکے، قلم چل رہا ہے ——— الحمدللہ! حضرت احمد رضا بریلوی پر بہت سا کام ہو گیا، ہو رہا ہے، اور انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔[1]

تیس سال بعد:

امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے ——— یہ فقیر تیس سال تک مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

''وہ مجتہدین کبار، محدثین کرام، فقہاء عظام اور سلف صالحین کی عظیم یادگار اور سچے وارث تھے۔''[2]

امام احمد رضا پر کام کا آغاز:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں آپ نے امام احمد رضا پر کام کے آغاز کے بارے میں پس منظر ملاحظہ فرمایا۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

''راقم نے ۱۹۶۹ء سے امام احمد رضا محدث بریلوی کا مطالعہ شروع کیا۔''[3]

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''راقم السطور نے ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا (۱۸۵۶ء ——— ۱۹۲۱ء) کے حالات و افکار کی طرف توجہ کی اور امام احمد رضا کے سیاسی افکار پر پہلی کتاب:

''فاضل بریلوی اور ترک موالات''

پیش کی جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور پاکستان نے شائع کی۔ اس کے بعد اس کے

۱۔ اختتامیہ ''انتخاب حدائق بخشش'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

۲۔ تقدیم ''القادیانیہ'' مطبوعہ قاہرہ، مصر ۲۰۰۲ء

۳۔ تقدیم ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' جدید ایڈیشن، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

مزید ایڈیشن شائع ہوئے۔

امام احمد رضا کے حالات وافکار سے متعلق دوسری کتاب:

''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں''

پیش کی، جو ۱۹۷۳ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کی۔ اس کے بعد چار ایڈیشن لاہور سے شائع ہوئے اور چھٹا ایڈیشن المجمع الاسلامی، مبارکپور انڈیا نے شائع کیا۔[1]

آپ کی مذکورہ بالا دونوں اولین تحقیقی کتب کا تعارف پیش خدمت ہے۔

تعارف: فاضل بریلوی اور ترک موالات:

رحمتِ حق بہانہ می جوید ــــ ۱۹۷۰ء میں رئیس احمد جعفری مرحوم کی کتاب ''اوراق گم گشتہ'' ــــ (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء) میں ہندوؤں سے موالات اور انگریزوں سے ترک موالات کے موضوع پر امام احمد رضا کا ایک مفصل ومدلل فتویٰ نظر سے گزرا۔ جس سے پہلی بار امام احمد رضا کی سیاسی بصیرت اور تدبر کا اندازہ ہوا۔ یہی فتویٰ امام احمد رضا پر فقیر کے پہلے مقالے:

''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' ــــ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

کی بنیاد بنا ــــ اس مقالے کے چھ سات ایڈیشن شائع ہوئے۔[2]

عشق ومحبت کے جذب وکشش کا بھی عجیب عالم ہے:

گاہ بحیلہ بردگاہ بزوری کشد

عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب

۱۹۷۰ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور کے ایماء پر اپنی چودہ سالہ علمی زندگی میں پہلی بار قلم اٹھایا اور مندرجہ ذیل عنوان پر ایک مقالہ قلم بند کیا:

''فاضل بریلوی اور ترک موالات''

---

[1] تقدیم ''دائرہ معارف امام احمد رضا'' مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

[2] تقدیم ''امام احمد رضا اور تحریک پاکستان'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء

بفضلہ تعالیٰ یہ مقالہ ملک کے طول وعرض میں بے حد مقبول ہوا۔ بکثرت اخبارات ورسائل نے اس پر تبصرے لکھے اور تین چار ماہ کے اندر اندر اس کے دو ایڈیشن شائع ہو گئے[1]

مقالہ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' میں یہ کوشش کی تھی کہ:

● ——جو بات کہی جائے تعصب اور تنگ دلی سے بالاتر ہو کر کہی جائے۔

● ——حقائق وواقعات کو تاریخ کی روشنی میں پیش کیا جائے۔

الحمدللہ علی احسانہ کہ اس تحریر نے پورا پورا اثر دکھایا اور جن علما کے دلوں میں شکوک وشبہات تھے وہ اُس کے مطالعہ کے بعد رفع ہو گئے ——اس سلسلے میں بلوچستان کے ایک دیو بندی عالم عبدالباقی صاحب کے مکتوب کا اقتباس پیش کرتا ہوں:

''جناب نے ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' کے موضوع پر جو زریں نکات قلم بند فرمائے ہیں۔ اس سے حقیر کے دل میں بہت سے شکوک واوہام کا استیصال ہوا۔ واقعی اعلیٰ حضرت مفتی صاحب اسی منصب کے مالک ہیں، مگر بعض حاسدوں نے آپ کا صحیح حلیہ اور علمی تبحر طاقِ نسیاں میں رکھ کر آپ کے بارے میں غلط اوہام کو پھیلا دیا ہے۔ جس کو ناآشنا قسم کے لوگ سن کر صیدِ وحشی کی طرح متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور ایک مجاہد عالمِ دین، مجددِ وقت ہستی کے بارے میں گستاخیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ علمیت میں وہ ایسے بزرگوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہوں گے۔ مگر محترم پروفیسر صاحب کے مقالہ، مذکورہ کے دقیق مطالعے سے ان شاء اللہ غیر متعصب لوگ ضرور اپنے کیے ہوئے پر نادم ہو کر اعلیٰ حضرت کے معتقد اور حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔''

(مکتوب محررہ ۲۲ر نومبر ۱۹۷۱ء از کوئٹہ)

موصوف کوئی بریلوی عالم نہیں۔ رب العزت نے قلب ونظر میں وسعت عطا فرمائی تو حق کی طرف متوجہ ہوئے اور جو کچھ محسوس کیا صاف دلی کے ساتھ تحریر کردیا تاکہ دوسروں کے لیے

[1] تقدیم ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

عبرت ہوئے[۱]

مؤرخین، سیاست دان اور قلمکار اس طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ:

● ——— پاکستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی انگریزی کتاب:

"علماء سیاسیات میں" ——— مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳ء

میں ترک موالات کے حوالے سے امام احمد رضا کے دو قومی نظریئے کا ذکر کیا۔

● ——— فقیر کے مقالے "فاضل بریلوی اور ترک موالات" کے بعد مولانا محمد جلال الدین قادری کی نہایت ہی اہم تالیف:

"خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس" ——— مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

سامنے آئی۔ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جو ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہے[۲]

● ——— اس کتاب کے بعد فقیر کی تالیف:

"تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم" ——— مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء شائع ہوئی۔

● ——— پھر فقیر کی ایک اور تالیف:

"گناہ بے گناہی" ——— مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

شائع ہوئی۔ اس کے انگریزی اور اردو ایڈیشن پاکستان، ہندوستان اور افریقہ سے شائع ہو چکے ہیں۔

● ——— فقیر نے ایک اور کتاب:

"حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" ——— مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء

میں امام احمد رضا کے سیاسی افکار و نظریات پر ایک مفصل باب باندھا ہے۔

● ——— مسئلہ خلافت پر امام احمد رضا کی اہم کتاب:

۱۔ تقدیم "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

۲۔ انگریزی خواں طبقہ کی چشم کشائی کے لیے اس تاریخی دستاویز کو شائع کیا جانا چاہیے ——— طاہر

''دوام العیش فی ائمہ من قریش''——(۱۹۲۰ء)
پر فقیر نے ایک مفصل مقدمہ لکھا جو اس کتاب کے ساتھ لاہور سے شائع ہوا۔ مندرجہ بالا مقالات اور کتابوں کی اشاعت کے بعد امام احمد رضا کا ذکر بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ اور آپ کی سیاسی بصیرت پر مختلف فضلاء نے اظہار خیال فرمایا۔[1]

تعارف: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں:

اس مقالے کی تیاری کے دوران فاضل بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف گوشے سامنے آئے اور آنکھیں کھل گئیں، خیال آیا کہ:

''جو کچھ دیکھا ہے اوروں کو بھی دکھادوں——اور دکھانے کے لیے کچھ اور دیکھ لوں۔''

چنانچہ اوائل ۱۹۷۱ء میں پیش نظر مقالے کے لیے مواد کی فراہمی شروع کی۔ اس سلسلے میں محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی مرکزی مجلس رضا، لاہور نے جس مستعدی اور خلوص سے مدد فرمائی، اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ انسان منزل کی طرف جادہ پیما ہوتا ہے تو پردۂ غیب سے دستگیری ہوتی چلی جاتی ہے۔

ع   سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

رحمتِ ایزدی نے قدم قدم پر مشکل کشائی کی۔

جس موضوع پر راقم نے قلم اٹھایا ہے، اس پر بعض حضرات نے جزوی کوششیں کی ہیں اور فاضل بریلوی کی سوانح کے ذیل میں اس پہلو پر معمولی اور سرسری روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً یہ حضرات:

● ——بدرالدین احمد قادری: سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ لاہور

---

[1] تقدیم ''امام احمد رضا اور تحریک پاکستان'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

- —— محمد صابر قادری: مجدد اسلام، مطبوعہ کانپور ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء
- —— مجیب الاسلام نسیم اعظمی: ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی ۱۳۸۶ھ/ جون ۱۹۶۶ء
- —— محمد عبدالحکیم شرف قادری: یادِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ ہری پور ہزارہ ۱۹۶۸ء
- —— اقبال احمد: کراماتِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ بریلی
- —— مفتی مصطفیٰ رضا خاں: الملفوظ، حصہ دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء

ان حضرات نے جو کچھ لکھا وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں۔ فاضل بریلوی کی شخصیت کا یہ پہلو نہایت جاندار اور تابناک تھا، اس لیے راقم نے اس طرف توجہ کی اور الحمدللہ تعالیٰ توقع سے کہیں زیادہ اس میں کامیابی ہوئی ہے۔ یہ امید نہ تھی کہ یہ مقالہ ایک کتابی صورت اختیار کر جائے گا۔

اس مقالے کی تیاری میں ہم نے خاص طور پر چار کتابوں پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ ذیلی مباحث کے لیے بہت سی کتابیں مطالعہ کیں۔ جن کی تفصیلی فہرست کتاب کے آخر میں مآخذ و مراجع کے عنوان سے پیش کردی گئی ہے —— یہ چار کتابیں ہمارے موضوع کا محور ہیں:

1. الاجازات المتینہ لعلماء بکہ والمدینہ —— ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
2. الفیوضات المکیہ لمحب الدولۃ المکیہ —— ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء
3. حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین —— ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
4. کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم —— ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

اس سلسلے میں ان صاحبان کا مشکور ہوں:

- —— محترم قاری محمد شاہد صاحب (ٹنڈو محمد خاں، سندھ) کا ممنون ہوں کہ موصوف نے فاضل بریلوی کی تالیف ''الدولۃ المکیہ'' اور اس پر علمائے حرمین کی تقریظات: ''الفیوضات المکیہ'' کا ایک نسخہ عنایت فرمایا جو اس مقالے کے لیے حقیقی محرک ثابت ہوا۔

● —— پروفیسر محمد صدیق اکبر صاحب (لاہور) کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے ''الاجازات المتینہ'' مرتبہ مولانا حامد رضا خاں صاحب کا قلمی نسخہ عنایت فرمایا جس سے کماحقہٗ استفادہ کیا گیا۔

● —— مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری، لاہور کا شکریہ ادا کرنے کے الفاظ نہیں پاتا۔

حق تو یہ ہے کہ اگر یہ حضرات مطلوبہ مآخذ کی فراہمی میں دل و جان سے مدد نہ فرماتے تو موجودہ صورت میں مقالہ پیش کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا۔

موضوع کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اسی کے متعلق ہوتا، مگر مشکل یہ آ پڑی کہ ہم ایک ایسی شخصیت کے تعارف کی کوشش کر رہے ہیں جس پر تہمتوں کے انبار لگے ہیں۔ ایک جماعت تعریف و توصیف تو درکنار ان کے متعلق بات سننا بھی گوارا نہیں کرتی، اور شدتِ تنفر کا یہ عالم ہے کہ اگر ہاتفِ غیبی بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو تو معاذ اللہ، ابلیس لعین سمجھ کر اس سے منہ موڑ لیں —— اس لیے ضروری سمجھا کہ ان غلط فہمیوں اور تہمتوں کے ازالے کے لیے بعض مباحث شامل کر دیے جائیں۔ گو براہِ راست ان کا موضوع سے تعلق نہیں مگر بنیادی طور پر وہ قاری کے لیے مسکن کا کام دیں گے۔

اس کے علاوہ بعض مخالفین نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جو ہمارے موضوع سے متصادم ہیں۔ اس لیے یہ ضروری بھی سمجھا کہ مقالے کے آخر میں ''**استدراک**'' کے عنوان سے ان کا تجزیہ پیش کر دیا جائے، تاکہ حقائق مخفی نہ رہیں —— **استدراک**'' میں ہم نے ان کتابوں کا تجزیہ کیا ہے:

1. غایۃ المامول فی تتمہ منہج الوصول فی تحقیق علم غیب الرسول
2. المہند علی المفند
3. الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب

ہمارا خطاب ان سے نہیں جو پہلے ہی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں بلکہ ان سے ہے

جو غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ نے دانش و بینش سے نوازا ہے ——— ہم امید کرتے ہیں کہ یہ حضرات ہماری بات توجہ سے سنیں گے اور ہماری تحریر کی روشنی میں فاضل بریلوی کی شخصیت کے حقیقی خدوخال دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں بارآور ثابت ہوئیں، اور ہم تالیف و تزکیہ قلوب کا اہم فریضہ انجام دے سکے ——— خدا کرے ایسا ہی ہو:

ع اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے [1]

مواد کی فراوانی، غیبی امداد

امام احمد رضا پاک و ہند کی بین المملکتی نہیں بلکہ ایک عالمی شخصیت کا نام ہے۔ ان کے آثار دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ان کی شخصیت روز بروز اجاگر ہوتی ہے ——— دس بارہ برس قبل مواد کا کال نظر آتا تھا لیکن اب اتنا مہیا ہو گیا ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں ان کے آثار موجود ہیں جو زبانِ حال کہہ رہے ہیں:

تلک اثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا الی الآثار

ہندوستان تو امام احمد رضا کا وطن تھا۔ وہاں جو کچھ ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ راقم پاکستانی ہے اس لیے پاکستان کی بات کرتا ہے ——— یہاں کراچی سے لے کر پشاور اور آزاد کشمیر تک امام احمد رضا کے آثار نظر آتے ہیں:

- ——— کراچی میں سندھ کے مشہور عالم مولانا محمد عبدالکریم درس علیہ الرحمہ کے خاندان میں امام احمد رضا کے رسائل اور قلمی مکاتیب موجود ہیں۔
- ——— ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے ناظم سید ریاست علی قادری کے کتب خانے میں بہت سے نوادرات ہیں۔

[1] تقدیم "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

- صحرائے تھر میں ہندوستان کی سرحد کے قریب مولانا تخی محمد مہران سکندری کے پاس امام احمد رضا کے رسائل کا ذخیرہ موجود ہے۔
- حیدرآباد میں علامہ مفتی محمد محمود احمد الوری کے کتب خانے میں۔
- پیر جو گوٹھ (سندھ) میں مولانا تقدس علی خاں کے کتب خانے میں بھی امام احمد رضا کے کتب و رسائل موجود ہیں۔
- سندھ میں امام احمد رضا اتنے معروف و مشہور ہیں کہ سندھ کے مشہور قلمکار و فاضل جناب اللہ بخش سرشار عقیلی مرحوم نے امام احمد رضا پر مقالہ لکھا جو لاہور سے شائع ہوا۔
- لاہور میں علامہ محمود احمد رضوی اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری وغیرہ کے کتب خانوں میں بھی کافی ذخیرہ موجود ہے۔
- بعض مکاتیب ڈیرہ غازی خاں کے علماء مولانا احمد بخش اور مولانا غلام یٰسین کے نام دستیاب ہوئے ہیں۔
- پشاور کے ایک مشہور عالم وصوفی مولانا تاج محمد صدیقی کے کتب خانہ میں امام احمد رضا کے کتب و رسائل کا ذخیرہ ہے۔
- اسی پشاور میں ایک دیوبندی عالم مولانا محمد زکریا کے کتب خانے میں امام احمد رضا کا فتاویٰ رضویہ اور دیگر رسائل تھے۔
- امام احمد رضا کے رسالے "دوام العیش" کی تلاش تھی جو آزاد کشمیر سے ایک بزرگ کے ہاں سے دستیاب ہوا۔

الغرض امام احمد رضا کے آثار پاکستان میں ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔

کسی بھی شخصیت کے حالات وافکار مدون کرنے میں اس کی اپنی تصانیف کے بعد معاصرین کی یادداشتیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اور پھر ایسے شخص کی یادداشتیں تو اور بھی اہم ہیں جس نے زندگی کے تقریباً تیس سال امام احمد رضا کے سامنے گزارے اور امام احمد رضا کی ایک ایک ادا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔

پیش نظر کتاب (سیرت اعلیٰ حضرت) اسی نوعیت کی ہے ـــــ اس سے قبل:

- ـــــ امام احمد رضا کے خلیفہ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کی یادداشتیں "**اکرام امام احمد رضا**" کے عنوان سے راقم نے مرتب کی تھیں، جس کے دو ایڈیشن مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کیے ہیں۔ اب تیسرے ایڈیشن کی تیاری ہے۔
- ـــــ اسی سلسلے میں امام احمد رضا کے دوسرے خلیفہ مولانا محمد ظفرالدین بہاری کی یادداشتیں بھی نہایت اہم ہیں۔ جو انہوں نے اپنی تالیف "**حیات اعلیٰ حضرت**" میں سموئی ہیں۔ جس کی پہلی جلد عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔ باقی تین جلدیں منتظر اشاعت ہیں [۱]
- ـــــ معاصر علمائے عرب کی تقاریظ پر مشتمل ایک اور کتاب قابل ذکر ہے۔ جو "**امام احمد رضا اور عالم اسلام**" کے نام سے راقم نے مرتب کی ہے۔ یہ عنقریب ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع ہو جائے گی۔

الغرض امام احمد رضا پر معاصرین کی بہت سی نگارشات سامنے آرہی ہیں۔ جس سے امام احمد رضا کی شخصیت دن بدن روشن ہوتی جا رہی ہے اور محققین کے لیے کام اور زیادہ آسان ہو رہا ہے۔ [۲]

محترم سید ریاست علی قادری نگران اعلیٰ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کا ہم کو ممنون ہونا چاہیے کہ موصوف کی عنایت سے ہم کو یہ تقاریظ ملیں [۳] انہوں نے پاکستان میں پہلی بار محققین کے لیے اتنا مواد فراہم کر دیا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اور جس کا سنبھالنا مشکل

۱۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ مدیر "جہان رضا" لاہور کی مساعی جمیلہ سے اسی سال عرس رضا کے موقع پر لاہور سے منظر عام پر آ رہی ہیں ـــــ طاہر

۲۔ تقدیم "سیرت اعلیٰ حضرت" مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء

۳۔ جو کہ مقالہ "امام احمد رضا اور عالم اسلام" کی بنیاد بنیں ـــــ طاہر

ہو گیا۔ وہ ۱۹۸۰ء میں بریلی گئے اور وہاں سے نبیرہ امام احمد رضا مولانا خالد علی خاں (مہتمم دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی) کی عنایت سے امام احمد رضا کے چالیس قلمی حواشی لائے۔ جس میں جیمز پرائنڈ کے رسالہ ''لوگارثم'' مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء کے اردو ترجمے پر امام احمد رضا کا فارسی حاشیہ جو تشریحی اور تنقیدی و تخلیقی نوٹس پر مشتمل ہے، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے شائع کیا ہے —— اس ادارے کے بانی سید صاحب موصوف ہی ہیں —— متذکرہ بالا چالیس قلمی حواشی کے علاوہ ۱۹۸۱ء میں مولانا خالد علی خاں نے مختلف علوم و فنون پر امام احمد رضا کی بہت سی قلمی اور مطبوعہ تصانیف ارسال کیں۔ جن کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے —— یہ سارا ذخیرہ سید ریاست علی قادری کے پاس ہے۔ موصوف کی عنایت سے راقم کو بھی اس علمی ذخیرے کی زیارت نصیب ہوئی۔[۱]

حقیقت میں امام احمد رضا کی شخصیت و فکر کے بعض گوشے ابھی تک محققین کی دسترس سے باہر ہیں —— امام احمد رضا پر روز بروز نئی معلومات سامنے آتی جاتی ہیں:

- —— ابھی کی بات ہے یکم دسمبر ۱۹۹۲ء کو بریلی جانا ہوا۔ وہاں جامعہ نوریہ رضویہ کے استاد مولانا محمد حنیف رضوی نے مشہور درسی کتاب 'ہدیہ سعیدیہ' پر امام احمد رضا کے حواشی دکھائے۔
- —— اس سے کچھ عرصہ قبل صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری بہت سے مخطوطات لائے۔
- —— مولانا محمد حنیف رضوی نے صحیح بخاری شریف اور ''الاشباہ والنظائر'' پر امام احمد رضا کے قلمی حواشی بھی دکھائے جو علامہ اختر رضا خاں ازہری کی عنایت سے ملے۔
- —— پروفیسر محمود حسین بریلوی کی عنایت سے بھی بہت سے مخطوطات ملے۔
- —— علامہ توصیف رضا خاں، بریلی نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ ان کے پاس ''فتاویٰ رضویہ'' کی بارہویں جلد کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۱۔ تقدیم ''امام احمد رضا اور عالم اسلام'' مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء

یہ چند علمی نوادر وہ ہیں جن کا علم حال ہی میں ہوا ہے۔ اس سے قبل امام احمد رضا کے بہت سے قلمی نوادرات سامنے آئے۔

- ایک عظیم ذخیرہ راقم کے کتب خانے اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے کتب خانے میں موجود ہے۔
- اور ایک عظیم خزانہ ابھی نظروں سے اوجھل ہے۔

ہر آنے والا دن ایک نئی خبر لے کر آرہا ہے۔[1]

[1] تقدیم "محدث بریلوی" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء

باب نمبر ۲

مخالفت اور سازشیں

ایک تاریخی حقیقت:

جب پاک وہند میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ تاریکیاں پھیل رہی تھیں، دل ڈوب رہے تھے، حوصلے پست ہو رہے تھے، کہ رحمت باری جوش میں آئی اور ایک آفتاب طلوع ہوا ــــ جس نے:

- ــ فضاؤں کو منور کر دیا،
- ــ ڈوبتے دلوں کو سہارا دیا،
- ــ پست حوصلوں کو بلند کیا،

ــــ تاریک فضاؤں میں یہ طلوع ہونے والا آفتاب کون تھا؟ ــــ

وہی **امام احمد رضا** عرب وعجم نے جس کی عظمت وجلالت کی گواہی دی۔

جس نے اپنے نام وناموس کو دینِ اسلام اور شارع علیہ السلام کی آن پر قربان کر دیا ــــ دشمنانِ اسلام کو اس کو یہ وارفتگی وشیفتگی اور جان باختگی پسند نہ آئی ــــ اس کے خلاف سازشیں کی گئیں اس کے خلاف کئی محاذ قائم کیے گئے، اور ہر محاذ پر اس کی کردار کشی کی گئی۔ دلوں سے اس کی یاد کو مٹایا گیا، ذہنوں سے اس کے نقوش عظمت کو کھرچ دیا گیا ــــ وہ جو فضاؤں پر چھایا ہوا تھا۔ دانش گاہوں میں اس کا نام لینا جرم ٹھہرا۔ علمی مجلسوں میں اس کی بات کرنی مشکل ہو گئی ــــ جو نشانِ علم وفضل تھا، سازشوں سے اس کو بے نشان کر دیا گیا۔[1]

علمی اور سیاسی سطح پر ایک عجیب کھیل کھیلا گیا، اور ایک عجیب تماشا دکھایا گیا ــــ انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل پورے برصغیر پاک وہند میں علمی سطح پر مسلک اہلِ سنت وجماعت (سلف صالحین) کا غلبہ تھا۔ امام احمد رضا نے اسی کی حفاظت کی اور اسی کا احیاء کیا۔ اس مسلک کے مخالفین نے سلطنت دہلی کے زوال کے بعد اپنی کوششیں تیز تر کر دیں اور سقوط دہلی کے بعد یہ حضرات کھل کر سامنے آ گئے۔ کیونکہ اب کوئی مادی طاقت نہ رہی تھی جو ان کی مزاحمت کرتی۔

[1] تقدیم "البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کی طرف پاک و ہند کے محققین کو توجہ دینی چاہیے۔[1]

سازش کا اعتراف:

حقائق سامنے آنے پر کسی فاضل نے قبلہ ڈاکٹر صاحب کی امام احمد رضا پر تحقیقات کے بارے میں یوں اظہار خیال فرمایا:

''ہم نے تو امام احمد رضا بریلوی کو دفنا دیا تھا ——— لیکن ایک پروفیسر نے قبر سے نکال کر پھر سے زندہ کر دیا ہے۔''

یہ گویا اس سچ کا اقرار تھا کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کی مخلصانہ مساعی نے اس عاشقِ رسول کو فی الواقعہ لوگوں کے دلوں میں زندہ کر دیا ہے ——— اس کے دور رس نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ ملکی اور عالمی سطح پر امام احمد رضا کو مثبت انداز میں دیکھا اور پرکھا جا رہا ہے ——— اور تعصب اس سیل رواں کے سامنے تنکوں کا پشتہ اور ریت کی دیوار ثابت ہوا ہے۔

مخالفت کی تحریک اور اس کے اسباب:

چودہویں صدی ہجری کے اوائل میں امام احمد رضا کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی۔ جس کے کئی اسباب تھے ——— یہ اسباب زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں:

- ——— امام احمد رضا نے مسلک اہلِ سنت و جماعت (سلف صالحین) کی پر زور حمایت کی اور مجاہدانہ و سرفروشانہ سرگرم عمل ہوئے۔
- ——— امام احمد رضا نے ابن عبدالوہاب نجدی کے زیر اثر چلنے والی ہر تحریک کی مخالفت کی۔
- ——— امام احمد رضا نے ہنود کے زیر اثر چلنے والی ہر سیاسی تحریک کی مخالفت کی۔
- ——— امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلک سلف صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے۔

[1] تقدیم ''امام احمد رضا و رد بدعات و منکرات'' مطبوعہ مبارک پور ۱۹۸۶ء

بہر کیف امام احمد رضا کی مصلحانہ، مجددانہ اور ناقدانہ مساعی کا شدید ردِّ عمل ہوا —— طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور ان کی تشہیر کے لیے پوری توانائیاں صرف کی گئیں اور جب تک یہ یقین نہیں ہوگیا کہ علمی سطح پر امام احمد رضا کی ہوا اُکھڑ گئی، دم نہ لیا —— شاید سطحی نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں یہ الزامات کوئی اہمیت رکھتے ہیں، مگر تاریخ پر جن کی گہری نظر ہے، ان کو معلوم ہے کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں اور بعض سیاسی و مذہبی مصالح کی بنا پر لگائے گئے ہیں۔ [1]

سچ تو یہ ہے کہ:

عقیدت کی بنا پر جسے چاہے بڑا کہہ دیجئے اور جس کے ساتھ چاہے مبالغہ آمیز جھوٹی سچی باتیں منسوب کر دیجئے مگر تاریخ و تحقیق میں عقیدت کا گزر نہیں ——

- —— یہاں سنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہیں کیا جاتا،
- —— یہاں دیکھا جاتا ہے،
- —— یہاں پرکھا جاتا ہے،

تو جب دیکھنے اور پرکھنے کی بات آتی ہے تو وہی کھرا نظر آتا ہے اور اپنے معاصرین کا امام معلوم ہوتا ہے۔

اس کی بیشتر نگارشات کے مخطوطات موجود ہیں، اس لیے کوئی عقیدت مند شوق مسابقت میں کوئی کتاب لکھ کر ان سے منسوب کرنے کی طفلانہ حرکت نہیں کر سکتا، اور مصنفات پر تحقیق کرنے والا کوئی محقق تلاش و جستجو میں اصل متون سے مایوس و محروم نہیں رہ سکتا —— ان کو امام احمد رضا کے ہاں اہتمام سنین کے ساتھ مخطوطات کا ایک عظیم ذخیرہ نظر آئے گا —— المختصر اہل تحقیق متوجہ ہوں گے تو قدم قدم پر یہ عالم پائیں گے:

ع
مجبور یک نظر آ، مختار صد نظر جا [2]

---

[1] تقدیم "امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات" مطبوعہ مبارک پور ۱۹۸۵ء

[2] تقدیم "دائرہ معارف امام احمد رضا" مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

اپنی اپنی راہ:

اہل سنت کا ایک طبقہ امام احمد رضا کا پیرو ہے ـــــــ دوسرا جو خود کو اہلِ سنت کہتا ہے، اور مسلک دیو بند سے متعلق ہے ـــــــ

● ـــــــ ایک خود کو بریلوی کہتا ہے،

● ـــــــ دوسرا خود کو دیو بندی۔

حالانکہ ایک صدی قبل یہ تقسیم نہ تھی، سب اہلِ سنت تھے۔ چنانچہ اب بھی تیسرا طبقہ وہ ہے جو خود کو صرف اہلِ سنت کہتا ہے ـــــــ جو خود کو بریلوی نہیں کہتا، وہ بھی حقیقت میں انہی عقائد و افکار کا پیرو ہے جو امام احمد رضا اور دوسرے بہت سے اکابر اہلِ سنت نے پیش کیے ہیں ـــــــ اس لیے کیوں نہ ہم مل بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے حقائق کا جائزہ لیں، اپنے عقائد و افکار کی اصلاح کر کے ایک کُل میں ضم ہو جائیں ـــــــ اور ان سے الگ ہو جائیں جن کا سلسلہ فکر ابلیس لعین اور ذوالخویصرہ جیسے گستاخوں سے ملتا ہے ـــــــ ہمیں غور و فکر کرنا چاہیے:

● ـــــــ ہم کون ہیں؟

● ـــــــ ہم کہاں جا رہے ہیں؟

● ـــــــ ہم کو کس طرف جانا چاہیے؟

● ـــــــ ہم کو کیا ہونا چاہیے؟ [1]

ایک نومسلم کا انتخابِ مسلک:

ڈاکٹر محمد ہارون سابق پروفیسر آکسفورڈ یونیورسٹی (یو۔کے) عیسائی نومسلم ہیں۔[2] چند سال ہوئے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ نہایت ہی مخلص اور درد مند مسلمان ہیں ـــــــ اسلام لانے سے پہلے انہوں نے دنیا کے ان فرقوں کا جائزہ لیا جو اسلام کا دعویٰ کرتے

ا۔ تقدیم "تسہیل انوار احمدی" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

۲۔ ڈاکٹر محمد ہارون ۲۰۰۰ء میں انتقال کر گئے۔

ہیں ـــــ کیونکہ نومسلم کے لیے سب سے کٹھن مرحلہ یہی ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد کس فرقے سے وابستہ ہو ـــــ بہرحال ڈاکٹر محمد ہارون کو اہلِ سنت و جماعت (مسلک بریلوی) میں اسلام نظر آیا ـــــ بقول ان کے:

''عالمی سطح پر تمام دشمنانِ اسلام اہلِ سنت و جماعت کے علاوہ سارے فرقوں کی نہ صرف تائید وحمایت کرتے ہیں بلکہ مدد بھی کررہے ہیں۔''

اس لیے ڈاکٹر صاحب اس نتیجے پر پہنچے:

Sunni Islam is a true Islam,

''سنی اسلام ہی سچا اسلام ہے۔''

ہمارے جوانوں کو اس زندہ تاریخی حقیقت پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر محمد ہارون نے اس حقیقت کے ادراک کے بعد امام احمد رضا محدث بریلوی کی تعلیمات کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

- ـــــ ایک طرف ڈاکٹر محمد ہارون جیسا فاضل اور غیر جانبدار نومسلم امام احمد رضا پر کام کر رہا ہے۔
- ـــــ دوسری طرف خود کو مسلمان کہلانے والی ایک علم دشمن لابی امام احمد رضا پر تحقیق کی مسلسل مزاحمت کر رہی ہے۔ جو حیرت ناک بھی ہے، افسوس ناک بھی اور شرم ناک بھی۔[۱]

مخالفت وعناد:

معاندین کے الفاظ میں جس کو زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا وہ پھر زندہ ہو گیا ـــــ خوب کہا ہے اور خود کہا ہے:

ع بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

۱۔ تقدیم ''امام احمد رضا خاں کی عالمی اہمیت'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

بے شک عاشق مرا نہیں کرتے، وہ شہید ہو کر بھی زندہ رہتے ہیں، بلکہ ان کی موت زندہ انسانوں کے لیے باعث رشک ہو جاتی ہے:

ع قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت

مرگے کہ زندگان بدعا آرزو کنند!

عرض یہ کر رہا تھا کہ دفن کرنے والے دفن کر چکے تھے ـــــ جدید علمی حلقوں اور دانش گاہوں میں اس کا نام لینا جرم ٹھہرا۔ لیکن پھر وہی علمی حلقے، پھر وہی دانش کدے اس کے ذکر و افکار سے گونجنے لگے۔

ستر برس کے بعد پھر ایک مہم چلائی گئی ـــــ ۱۹۷۰ء میں راقم نے ترکِ موالات سے متعلق امام احمد رضا کے محققانہ رسالے:

المحجة المؤتمنه فی آیة الممتحنه

کی روشنی میں ایک مقالہ قلم بند کیا، جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا۔ اس مقالے میں تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے ضمناً سید احمد بریلوی کا ذکر آ گیا۔ جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ:

''سید صاحب کی جدوجہد سے اور تو کچھ ہوا یا نہیں، انگریزوں کو ضرور فائدہ پہنچا۔''

یہ تاثر اس عام تاثر کے خلاف تھا جو بعض محققین و مؤرخین نے غلط بیانیوں کے ذریعے برسوں کی محنت کے بعد قائم کیا تھا ـــــ بہر حال راقم کے مقالے:

''فاضل بریلوی اور ترکِ موالات''

کا شائع ہونا تھا کہ غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ تسلیم شدہ حقائق تارِ عنکبوت کی طرح بکھرنے لگے۔

● ـــــ ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''میں فلاں پبلشرز سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرو۔''

● —— دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبۂ تاریخ بھی ناراض ہوگئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کر دی۔ راقم نے عرض کیا:

''تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے، آپ میری بات غلط ثابت کردیں، میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا، کوئی لڑائی جھگڑا نہیں۔ یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے، جو بات ثابت ہوگی وہی لکھی جائے گی۔''

پھر خدا کی شان کہ مولوی حسین احمد دیوبندی کی کتاب ''الشہاب الثاقب'' میں یہ بات مل گئی کہ:

''جب سید صاحب صوبہ سرحد میں اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے تو انگریز اسلحہ سے ان کی مدد کر رہے تھے۔''

چنانچہ مقالے کے دوسرے ایڈیشن میں یہ حوالہ پیش کر دیا گیا اور معترضین خاموش ہو گئے —— تاریخ میں غلط بیانی یا دھونس سے کسی بات کو منوانے کی گنجائش نہیں —— لیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ کے کہنہ سال مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ای۔ ایس۔ بلیان نے راقم کے اس موقف کی تائید کی کہ:

''سید صاحب نے انگریزوں کے خلاف کوئی جدوجہد نہیں کی۔''

—— حقائق و شواہد کی روشنی میں ہر محقق اسی نتیجے پر پہنچے گا —— تو عرض یہ کر رہا تھا کہ راقم کا مقالہ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' شائع ہوا تو امام احمد رضا کے مخالفین نے اس پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔

● —— پھر جب راقم کی کتاب ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب و عجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری صاحب نے اپنے رسالے ''فاران'' کراچی میں ایک طویل مضمون لکھ کر مخالفین و معاندین کو خبردار کیا کہ:

''اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لیے تو پھر ان کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا۔''

● —— یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیجی گئی تو وہاں شعبہ سنی دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسروں کو دکھائی، انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ:

''اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے۔''

بیس پچیس پروفیسروں نے یہ بات کہی —— پھر کیا ہوا، یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی میز پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ کسی کام سے کمرے سے باہر گئے، امام احمد رضا کے کسی مخالف نے پار کر لی۔ واپس آئے تو کتاب میز پر نہ تھی۔ یہ بات مرحوم نے خود راقم کو بتائی۔

اس قسم کی اوچھی حرکتوں سے حق اور سچائی کو چھپایا نہیں جا سکتا —— اس کی قسمت میں بلند ہونا ہے، وہ بلند ہو کر رہتی ہے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ امام احمد رضا کی بات پھیلتی گئی —— معاندین اس سیلاب کے آگے بند باندھتے رہے —— امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن ''**کنزالایمان**'' جب لاکھوں کی تعداد میں مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا تو بڑی تشویش ہوئی۔ کوشش کی گئی کہ الزام تراشیوں کا سہارا لے کر کم از کم عرب ملکوں میں اس پر پابندی لگوا دی جائے، اور بالآخر پابندی لگا دی گئی —— جبکہ ایسے مترجمین کے ترجموں پر پابندی نہ لگی:

● —— جو قرآن کی اداؤں کے راز دار نہیں،

● —— جو ترجمے کے مزاج سے واقف نہیں،

۱۹۹۱ء کی بات ہے فقیر جب حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کر کے جدہ ائیر پورٹ سے کراچی روانہ ہو رہا تھا تو وہاں کی حکومت کی طرف سے تمام پاکستانی حاجیوں کو قرآن کریم کا تحفہ دیا گیا، جو احتیاط سے رکھ لیا گیا۔ بعد میں کھول کر دیکھا تو یہ قرآن مترجم تھا، مولوی محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے تفسیری حواشی —— جس کے متعلق عالم اسلام

کے جانے پہچانے عالم مولوی ابوالحسن علی ندوی نے یہ تصدیق فرمائی:

''اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ و تفسیر ہے، اس کی طباعت و اشاعت ہونی چاہیے۔''

(قرآن کریم مترجم محمود حسن دیوبندی، ص ۳، مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء)

یہ قرآن حکیم شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ میں چھپا، اور وزارت اوقاف سعودی عرب نے اس کو شائع کیا ـــــ اس ترجمے میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

- ـــــ حضور انور ﷺ کو گنہ گار بتایا گیا ہے۔ (سورۂ فتح، ص ۶۷۸)
- ـــــ اور بھٹکتا دکھایا گیا ہے۔ (سورۂ ضحیٰ، ص ۷۹۴)

ایسے ترجمہ کو ''اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا گیا'' ـــــ اور وہ ترجمہ جس میں

- ـــــ عظمت مصطفےٰ ﷺ کا خیال رکھا گیا،
- ـــــ اور عظمت پر حرف آنے نہ دیا۔

اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ سعودی عرب میں اس کی اشاعت بھی ہو... ہاں چھپنا تو دور کی بات ہے:

ع   بریں عقل و دانش بباید گریست

پھر یہ کہ **کنزالایمان** پر پابندی لگوائی گئی بلکہ اس ترجمہ کے خلاف ایک فاضل کو لالچ دے کر کتاب لکھوائی گئی۔ پھر اس کو شائع کیا گیا ـــــ اس کتاب سے اور تو کچھ نہ ہوا، مصنف کا نام بدنام ضرور ہوا اور ہاتھ کچھ نہ آیا ـــــ یہ ایک راز ہے، جو راز ہی رہے تو بہتر ہے۔ راقم کا مقصد کسی کو بدنام کرنا نہیں بلکہ حقائق سے پردہ اٹھانا ہے۔[۱]

تحقیق کی مزاحمت:

محدث بریلوی کے مخالفین نہ معلوم کیوں محدث بریلوی پر تحقیق کی مزاحمت کرتے ہیں۔

[۱] تقدیم ''البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

● ——مدت ہوئی شریعت کورٹ کے ایک مرحوم جج نے راقم کو بتایا کہ انہوں نے کراچی یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے لیے محدث بریلوی پر ایک عنوان رجسٹرڈ کرایا۔ بعد میں متعلقہ شعبہ کے جو صدر آئے انہوں نے شدید مزاحمت کرتے ہوئے صاف صاف فرمادیا کہ:

''کراچی یونیورسٹی میں محدث بریلوی پر ڈاکٹریٹ ہو ہی نہیں سکتی، کوئی دوسرا عنوان لیں''۔

چنانچہ جج صاحب نے دوسرا عنوان لیا، جب وہ ڈاکٹریٹ کر سکے —— مزاحمت کرنے والے یہ بزرگ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں استاد ہیں۔

مگر ان مزاحمتوں کے باوجود اسی کراچی یونیورسٹی سے پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے محدث بریلوی کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان اور دوسرے معروف اردو تراجم پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے ہی لی —— اسی یونیورسٹی میں دوسرے فضلاء بھی محدث بریلوی پر تحقیقی مقالات لکھ رہے ہیں۔

● —— اسی قسم کی مزاحمت کا سامنا ازہر یونیورسٹی قاہرہ میں بھی کرنا پڑا۔ مگر جناب مشتاق احمد صاحب نے بھی ایم۔فل کی ڈگری لے ہی لی۔

● —— ۱۹۸۰ء میں ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے ماہنامہ ''فکر ونظر'' میں محدث بریلوی پر راقم کا مقالہ شائع ہوا تو سندھ یونیورسٹی کے ایک سن رسیدہ فاضل و محقق نے اپنے دیرینہ رفیق ادارۂ مذکور کے ڈائریکٹر کی سخت فہمائش کی، مگر اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔

● —— ۱۹۷۱ء میں راقم کا مقالہ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' لاہور سے شائع ہوا اس میں سید احمد بریلوی کی تحریک بالاکوٹ کے متعلق راقم نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا، جو مزعومہ اور موہومہ تاریخ سے مختلف تھی، تو پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے ایک محقق پروفیسر سخت ناراض ہو گئے، اور علم و دانش کے حوالے سے جو تعلق تھا وہ زندگی بھر کے لیے منقطع کر لیا۔

ان خفگیوں، ناراضگیوں اور مزاحمتوں کی ایک طویل داستان ہے۔ اور اب تو یہ مزاحمت محدث بریلوی پر کام کرنے والوں کے نیک شگون بن گئی ہے۔ جب یہ خبر آتی ہے تو فقیر کامیابی کی بشارت دیتا ہے—سچی بات یہ ہے کہ مزاحمت کرنے والے بھی دعا کے مستحق ہیں، ان کی مزاحمت سے رحمت الٰہی جوش میں آجاتی ہے اور منزل مزید قریب ہو جاتی ہے۔[۱]

کردارکشی کے لیے ایک حربہ اور:

جب دور و نزدیک امام احمد رضا کا چرچا ہونے لگا تو ان کے مخالفین کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ اور انہوں نے ان کی کردار کشی کے لیے مختلف حربے استعمال کیے—چند حربوں کا ذکر تو آچکا ہے، ایک حربہ اور استعمال کیا گیا۔

وہ یہ کہ احسان الٰہی ظہیر نامی ایک صاحب سے ''البریلویہ'' کے نام سے عربی میں ایک کتاب لکھوائی گئی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ کہ یہ انہوں نے لکھی ہے یا ان سے منسوب کی گئی ہے۔ کیونکہ منسوب کرنے کے یہ حضرات عادی ہیں۔ بعض کتابوں اور عبارتوں کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے منسوب کیا گیا، یہ ایک طویل داستان ہے۔[۲]

البریلویہ کو جھوٹ کا پلندہ کہا جائے تو بجا ہے۔ اس میں امام احمد رضا کی جی بھر کے کردار کشی کی گئی ہے—جس زمانے میں یہ شائع ہوئی اسی زمانے میں راقم سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے اسلام آباد گیا۔ وہاں اسمبلی ہال میں محترم جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری سے ملاقات ہوگئی۔ وہ اپنے ساتھ دولت کدے پر لے گئے۔ وہاں اس کتاب کا ذکر نکل آیا—مفتی صاحب سے جب یہ کتاب طلب کی تو انہوں نے لاکر دکھائی—اس کی تقدیم شیخ عطیہ سالم نے لکھی ہے جس میں انہوں نے ''البریلویہ'' کے سارے مندرجات کی تصدیق

۱۔ تقدیم ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' جدید ایڈیشن، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

۲۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ''القول الجلی کی بازیافت'' مرتبہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی و حکیم سید محمود احمد برکاتی، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ء

فرمائی ہے۔ ان میں بعض الزامات چونکا دینے والے تھے، تفصیل آگے آتی ہے —— کتاب کو ذرا آگے سے دیکھا تو ایک جگہ لکھا تھا:

''امام احمد رضا کی صورت کالی تھی'' ——

اور حوالے میں راقم کی کتاب ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' کا نام ہی نہیں بلکہ صفحہ بھی تھا۔ پڑھ کر حیران رہ گیا۔

ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد!

بہر حال گمراہ کن حوالے سے اتنا اندازہ ہو گیا کہ باقی مندرجات کا کیا حال ہو گا۔

ابھی کی بات ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات و افکار کا مستند ترین مجموعہ: ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' —— مصنف محمد عاشق پھلتی، مطبوعہ دہلی ۱۹۸۹ء سامنے آیا —— معلوم ہوا کہ اس کو برسوں تک اس لیے دبایا گیا کہ:

- —— اس سے امام احمد رضا کے مسلک کی تائید ہوتی تھی، اور
- —— بعض ایسی کتابوں کی تغلیط ہوتی تھی جو شاہ صاحب کے نام سے گھڑی گئی تھیں۔

—— مگر جیسا کہ راقم نے پہلے عرض کیا کہ حق تو ظاہر ہو کر رہتا ہے اور باطل کی قسمت میں مٹنا ہے، وہ مٹ کر ہی رہتا ہے —— تو یہ کتاب ظاہر ہو کر رہی —— علمی خیانتوں اور الزام تراشیوں کا یہ سلسلہ نہ معلوم کب سے جاری ہے، —— اسکے مقاصد اہلِ علم و دانش سے پوشیدہ نہیں۔

ہاں تو جب ''البریلویہ'' پر نظر ڈالی تو امام احمد رضا کے متعلق یہ انکشافات سامنے آئے کہ:

''امام احمد رضا کا رشتۂ فکر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی سے ملتا ہے تو دوسری طرف شیعہ حضرات سے۔''

گویا اہلِ سنت سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں، یا ہے تو برائے نام —— راقم کے لیے

یہ دریافت بالکل نئی تھی۔ کیونکہ پندرہ سال امام احمد رضا پر ریسرچ کرنے کے باوجود یہ پہلو سامنے نہ آیا تھا۔ بلکہ راقم کے علم میں تو یہ تھا کہ امام احمد رضا نے قادیانیوں اور شیعوں کے خلاف رسالے لکھے تھے ——— چنانچہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید تقدیم نگار شیخ عطیہ سالم نے غلط فہمی کی بنا پر "البریلویہ" کے گمراہ کن مندرجات کی تصدیق کردی ہے۔ دلائل وشواہد کے ساتھ ان کو خط لکھا گیا۔ مگر انہوں نے خط کا جواب عنایت نہیں فرمایا۔ جس سے اندازہ ہوا کہ یا تو اس نام کا کوئی عالم نہیں، اور اگر ہے تو وہ اس سازش میں شریک ہے ——— بہر حال "البریلویہ" کے الزامات ایسے تھے کہ نہ اٹھائے جائیں نہ رکھے جائیں ——— جب "البریلویہ" کی حقیقت حکومت پاکستان کے علم میں آئی اور اس کے خلاف اہل سنت نے احتجاج کیا تو اس پر پابندی لگا دی گئی ——— برسوں سے اس پر پابندی لگی ہوئی ہے، لیکن اس کے باوجود بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے طلبہ کی ذہنی تطہیر کے لیے ان کو "البریلویہ" دکھائی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ تقسیم بھی کی جاتی ہو ——— اس یونیورسٹی میں امام احمد رضا کی بات سنی نہیں جاتی تھی۔ ۱۹۹۱ء میں غالباً پہلی بار امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس (منعقدہ کراچی، لاہور، اسلام آباد) کے مندوبین کو ایک سیمینار میں دعوت دی گئی اور انہوں نے مسلک اہلِ سنت اور امام احمد رضا کے افکار وخیالات پر اظہار خیال کیا ——— راقم کے ایک غیر مطبوعہ اردو مقالے کا عربی ترجمہ:

"الشیخ احمد رضا خان البریلوی"

کراچی سے شائع ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے بھی یہ مفید ہوگا ——— راقم کے نزدیک اشخاص ہوں یا ان کے افکار، اگر علمی دیانت کے ساتھ ان کو زیر بحث لایا جائے تو کچھ حرج نہیں ——— کردار کشی کو راقم بدترین گناہ تصور کرتا ہے۔

ہاں تو ذکر تھا احسان الٰہی ظہیر کی کتاب "البریلویہ" کا، جس میں امام احمد رضا کی کردار کشی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی ——— عربی میں ایک مقولہ ہے:

"سچ خود بلند ہوتا ہے، بلند نہیں کیا جاتا"۔

الحمدللہ اہل سنت حق پر ہیں، ان کو جھوٹ اور افتراء پردازیوں کے سہارے کی ضرورت نہیں، جبکہ جانب دیگر اس کی بہت ہی ضرورت ہے ـــــ اور یہ جھوٹ:

● ـــــ غیروں کی کردار کشی کے لیے بھی استعمال کیا ہے، اور

● ـــــ اپنوں کی کردار سازی کے لیے بھی۔

ـــــ یاد آیا ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم (صدر شعبۂ سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ) نے محمد انور شاہ کشمیری پر علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کیا تھا، اور علمائے دیوبند پر قاہرہ کی ازہر یونیورسٹی سے ڈی لٹ ـــــ اس میں مولوی حسین احمد کا بھی ذکر کیا تھا ـــــ کئی برسوں پہلے موصوف ٹھٹھہ (سندھ) میں غریب خانے پر تشریف لائے۔ راقم کے کتب خانے میں مولوی حسین احمد دیوبندی کی ''الشہاب الثاقب'' نظر سے گزری تو حیران رہ گئے، اور فرمایا:

''یہ تو مجھے دکھائی ہی نہیں گئی۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا کہ اس شخص نے اعلیٰ حضرت کے لیے ایسے نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں تو اپنے مقالے میں ہرگز اس کا ذکر نہ کرتا''

وہ اپنے ساتھ اپنا مقالۂ ڈاکٹریٹ بھی لائے تھے، جس میں محمد انور شاہ کشمیری کی تعریف و توصیف میں بلا دلیل بہت سی باتیں کہی گئی تھیں ـــــ راقم نے عرض کیا:

''آپ نے محمد انور شاہ کشمیری پر مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ کے تعاقبات بھی ملاحظہ فرمائے!''

فرمایا: ''نہیں'' ـــــ پھر راقم کو مقالہ کی مطبوعہ جلد دیتے ہوئے فرمایا:

''یہ ایک نسخہ میرے پاس تھا، آپ کو دیتا ہوں، آپ اس پر بھرپور مقدمہ لکھیں۔ مخالف و موافق جو کچھ لکھیں آپ کو اجازت ہے۔ خوب دل کھول کر لکھیں۔''

سو ابھی تک مقدمہ لکھنے کی توفیق نہ ملی۔

تبلیغی جماعت کے بانی مولوی محمد الیاس کو راقم نے دیکھا ہے، ان کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہیں، انگلستان سے ایک صاحب نے موصوف پر تحقیق فرمائی اور تحقیق کے ایسے

جوہر دکھائے کہ:

''پہچانی ہوئی صورت پہچانی نہیں جاتی''۔

وہ وہ خوبیاں گنائیں جن کا دور دور تک پتا نہیں ——— تو عرض یہی کرنا ہے کہ:

- ——— اپنوں کی کردار سازی کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے۔
- ——— یہی جھوٹ امام احمد رضا کی کردار کشی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

——— یہ باتیں تو بہت ہیں کہاں تک بیان کی جائیں [1]

اہل سنت کے خلاف عالمی سازش:

اہلِ سنت کے خلاف ایک عالمی سازش پوری قوت کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اہل بصیرت علماء و دانشوروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے:

- ——— تبلیغ کے نام پر قرآن پڑھنے سے روکا جا رہا ہے، تبلیغی نصاب کو قرآن کے قائم مقام بتایا جا رہا ہے۔
- ——— تبلیغ کے لیے جانے والوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی شریف سے کہیں زیادہ ثواب کی بشارتیں دی جا رہی ہیں۔
- ——— تبلیغی مراکز سے آنے والوں کو حجاج کرام کی فہرست میں شامل کیا جا رہا ہے۔

دن کی روشنی میں یہ کیا کیا جا رہا ہے؟ ———

جو فرقے ملتِ اسلامیہ کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں، ان کا ظاہر اتنا حسین ہے کہ کسی کو یقین نہیں آتا کہ یہ اندر سے اتنے خراب ہوں گے ——— ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم فرقوں کے اکابرین سے حسن ظن رکھتے تھے۔ لیکن حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خاں نے لاہور میں ایک ملاقات کے دوران انکی گستاخانہ عبارات سنائیں تو وہ حیران رہ گئے اور فرمایا:

''مولانا! یہ عبارات ایسی گستاخانہ ہیں کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہ ٹوٹ پڑا۔

[1] تقدیم ''البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

اُن پر تو آسمان کو ٹوٹ پڑنا چاہیے۔''[1]

تاریخ و حقائق سے چشم پوشی:

مؤرخ کا قلم بڑا رازدار ہے۔ ہزاروں راز اس قلم میں پیوست ہو کر رہ گئے ——— :

- ——— محبوب کو مردود بنانا اور مردود کو محبوب بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے،
- ——— اندھیروں میں اجالے اور اجالوں میں اندھیرے دکھانا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔

جن حضرات نے تحریک پاکستان ور تحریک آزادیٔ ہند سے متعلق کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے کچھ جانب دیگر جھکے سے معلوم ہوتے ہیں ——— عقیدت احترام پر مجبور کرتی ہے، پھر مورخ اس شخصیت کے بارے میں سچے واقعات نہیں لکھتا بلکہ دوراز کار تاویلات سے کام لے کر اصل حقائق چھپانے کی کوشش کرتا ہے، اور اس طرح تاریخ کو مسخ کر کے ملت کے سامنے پیش کرتا ہے:

- ——— بعض اوقات ایک بات نامعقول نظر آتی ہے۔ لیکن جب دلائل وشواہد اور تاریخی حقائق کی طرف نظر جاتی ہے تو وہ معقول معلوم ہونے لگتی ہے۔
- ——— اس طرح بعض اوقات ایک بات معقول نظر آتی ہے مگر جب دلائل وشواہد اور تاریخی حقائق پر نظر جاتی ہے تو وہ نامعقول لگنے لگتی ہے۔

مؤرخ کا فرض ہے کہ دلائل وشواہد اور تاریخی حقائق پر نظر رکھے اور محض عقیدت کی بنا پر کسی کے حق میں فیصلہ نہ سنادے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ تحریک پاکستان اور تحریک آزادیٔ ہند کے بعض مؤرخین پر عقیدہ اور عقیدت غالب رہی ہے۔ بالخصوص جہاں تحریک آزادی میں علماء کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ تاریخ کو عقیدے اور عقیدت پر غالب ہونا چاہیے۔ دین اسلام کے مخلص خدمت گاروں میں یہ دیکھنا کہ:

---

[1] تقدیم ''تذکرہ جمیل'' مطبوعہ بریلی شریف ۱۹۹۱ء

● ——— کون ہمارا ہم عقیدہ ہے اور کون نہیں ہے،

● ——— جو ہے اس کو آسمان پر چڑھادو،

● ——— جو نہیں ہے اس کو زمین پر گرادو۔

یہ اندازِ فکر نہایت ہی غیر مؤرخانہ ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جب مورخ ایک طرف جھکنے لگتا ہے تو اس کو ساری خوبیاں اور کمالات اسی طرف نظر آنے لگتے ہیں، دوسری طرف کچھ نظر نہیں آتا:

● ——— "**نقش حیات**" اس طرف، دوسری طرف "**نقش ممات**"

● ——— "**شاندار ماضی**" اس طرف، دوسری طرف "**خاردار ماضی**"

● ——— "**پرانے چراغ**" اس طرف، دوسری طرف "**مردہ چراغ**"

● ——— "**بڑے مسلمان**" اس طرف، دوسری طرف "**چھوٹے مسلمان**"

الغرض اُدھر دھوپ چمک رہی ہے، اور اِدھر گھٹائیں چھارہی ہیں، کوئی دیکھے تو کیا دیکھے، اور سمجھے تو کیا سمجھے۔

راقم کے سامنے ایسے نظائر موجود ہیں کہ ایک مؤرخ کے سامنے عزم و ہمت کے عدیم المثال واقعات گزرے مگر وہ اس کا ہم عقیدہ نہ تھا ——— اس لیے جب وہ تاریخ لکھنے بیٹھا تو اس کا دامن نظر اتنا تنگ ہوگیا کہ اس صاحب عزیمت کے احوال تو کیا لکھتا، نام تک لکھنا گوارا نہ کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی ملک و ملت کا حقیقی خیر خواہ ہے اور اس کی خدمت سے اس کی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں تو محض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے اس کی تاریخ ساز جدو جہد کو ملیامیٹ نہ کر دینا چاہیے۔ خصوصاً جبکہ وہ تحریک آزادی میں اساسی حیثیت کا مالک ہو، تمام

گروہی تعصبات اور جماعتی وابستگیوں سے بالاتر رہ کر پاکستان کے مورخ کو تاریخی حقائق پر خالی الذہن ہو کر غور کرنا چاہیے۔ اور ''دانش برہانی و دانش نورانی'' کے سہارے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ:

● ــــــ وہ کون علماء حق تھے جن سے حقیقی طور پر علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے اکتساب فیض کیا ــــــ

● ــــــ اور جن کی جدوجہد نے برصغیر میں مسلمانوں میں جذبہ اسلامی اور تشخص ملی کو برقرار رکھا،

● ــــــ اور جن کا عزم صمیم ایک بڑی مملکت ''پاکستان'' کی تمہید ثابت ہوا۔

ان علماء حق میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

دنیا کے ''عبقری'' ملک و ملت کا اثاثہ ہوتے ہیں۔ ان کو کسی طبقے کی ملکیت خیال کرنا سخت غلطی ہے ــــــ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی ایک بے مثال عبقری تھے اور اپنے وقت کے امام برحق۔

ع ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کر احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

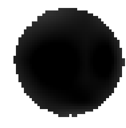
جب ہم تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں، تو اقبال کے ان اشعار کا مفہوم اور واضح ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

ان کی شخصیت پر ہزار پردے ڈال دیے گئے تھے، اب ہٹ رہے ہیں، اٹھ رہے ہیں۔ حقیقت آشکار ہو رہی ہے ــــــ تعجب ہے:

● ــــــ پاکستان میں قوم پرست علماء پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں،

● ـــــ ان کے نام پر اکیڈمیاں قائم ہوسکتی ہیں۔

مگر جنہوں نے خلوص دل سے اسلام اور پاکستان کی حمایت کی اور اس کے لیے جان کو جان نہ سمجھا اور نہ آبرو کو آبرو ـــــ ان پر کتابیں لکھنا اور ان کے نام پر اکیڈمیاں قائم کرنا بعض لوگوں پر گراں ہے۔ گویا ان حضرات کے لیے پاکستان کی سرزمین پاکستان نہیں ہے ـــــ یہ نہایت افسوس ناک طرز فکر ہے۔ ضرورت ہے کہ پاکستان کی تاریخ کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھا جائے ـــــ تعصب و تنگ دلی کے پردے ہٹا کر اس ذخیرے کو تلاش کیا جائے جس کو ہمارے مورخ نے اب تک چھوا بھی نہیں۔



سیاستِ جدیدہ میں ہوا کا رُخ دیکھا جاتا ہے۔ قائدین اسی طرف چلتے ہیں، جس طرف ہوا چلتی ہے ـــــ مگر اسلامی سیاست میں اس طرز عمل کا عمل دخل نہیں۔ وہاں وہی کیا جاتا ہے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کو منظور ہوتا ہے ـــــ یہ سیاست جذباتِ نفسانیہ کے سایہ میں نہیں بڑھتی بلکہ عقل و دل کے سہارے آگے بڑھتی ہے۔ اس کے لیے تحریک آزادیٔ ہند میں ایسے مرحلے بھی آئے جب جذبات عقل و دل پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر فیصلہ وہی دیرپا ہوتا ہے جو عقل و دل کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے جذباتی دور میں جبکہ قائد اعظم محمد علی جناح اور ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اسلامی حمیت و غیرت اور بے مثال جوش و جذبے کے ساتھ منظر عام پر آتے ہیں ـــــ نہ ان کو اپنی جان کی پروا نہ عزت کی۔ وہ بستر مرگ پر پڑے تھے اور تہمت خلق کے سیاہ بادل چاروں طرف منڈلا رہے تھے ـــــ ہاں انہوں نے اور ان کے بعض خلفاء و تلامذہ نے جس مومنانہ فراست کا ثبوت دیا وہ اب چاند کی طرح چمکتی نظر آتی ہے ـــــ مگر اس وقت جذبات کی آندھیوں نے دمکتے چہرے چھپا دیئے تھے ـــــ ان آندھیوں میں بڑھتے رہے:

ع اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لاالٰہ الا اللّٰہ

تعجب ہے کہ ''متحدہ قومیت'' کے علمبرداروں نے دو قومی نظریہ کے داعی اور مجاہد فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے کچھ اس طرح بدگماں کیا ہے کہ بدگمانی، بدگمانوں کے رگ و ریشہ میں رچی بسی معلوم ہوتی ہے۔ متوجہ کرنے کے باوجود محققین متوجہ ہوتے نظر نہیں آتے۔ سنی سنائی باتوں پر بددل ہو جانا محقق و مورخ کو زیب نہیں دیتا، مگر ہمارے ملک میں یہ بھی ہوتا ہے ——:

میں کہتا ہوں کہ: ''خود دیکھو —— خود پرکھو''۔

وہ کہتے ہیں کہ:

''ہم کو ضرورت نہیں، جو سن لیا ہے وہی کافی ہے'' ——

ان حضرات کا یہ طرزِ عمل کم از کم راقم کے لیے نا قابلِ فہم ہے —— ایک طرف یہ افراط کہ:

''متحدہ قومیت'' کے علمبرداروں اور پاکستان کے مخالفوں کے لیے دل میں عزت واحترام ہے۔''

اور دوسری طرف یہ تفریط کہ:

''دو قومی نظریہ کے علمبرداروں اور اسلام کے محافظوں کے لیے دل میں نفرت و حقارت'' ——

تیس سال گزر چکے ہیں مگر یہ نفرت کم نہیں ہوئی —— جب ہندوؤں کے ساتھ ''متحدہ قومیت'' کے نقطے پر اور قوم پرست علماء اور مسلمانوں سے عقیدت کی یکسانیت پر قربت و محبت ممکن ہے تو صرف پاکستان کے نقطے پر ان حضرات سے قربت و محبت کیوں ممکن نہیں؟ —— اگر وہ ممکن ہے اور یہ ممکن نہیں تو پاکستان کے مورخ کے دل میں شکوک و شبہات کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ اب تک جو کچھ کہا گیا اور جو سنایا گیا ہے، وہ صحیح ہو —— تاریخی

واقعات عقائد نہیں ـــــ بلکہ عقائد میں بھی جبر و اکراہ نہیں، پھر تاریخ میں جبر و اکراہ کیسے ممکن ہے ـــــ کوئی اختلاف کرنا چاہتا ہے، اس کو اختلاف کی پوری آزادی ہے۔ بشرطیکہ اختلاف کی بنیاد ذاتی تعصب اور تنگ دلی نہ ہو، صرف حقائق ہوں ـــــ اس سلسلے میں کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمود حسین مرحوم نے بڑی دل لگتی بات فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''تاریخ میں اختلاف رائے ایک معمولی امر ہے۔ یہ تحقیق میں کسی طرح حارج نہیں تاریخی مسائل میں اختلاف رائے کا پایا جانا ایک اعتبار سے ضروری بھی ہے۔''

علم تاریخ میں ایک فرد کی کوشش بالکل ناکافی ہوتی ہے، کیونکہ کسی مورخ کی آنکھ میں اتنی تیزی نہیں کہ واقعہ کو اس کے پورے پس منظر میں دیکھے ـــــ مختلف آنکھوں کی مدد ہی سے بصیرت حاصل ہو سکتی ہے، جس سے واقعہ کی ماہیت کو اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے ـــــ مختلف نقطہ ہائے نظر سے مسئلے کے سمجھنے میں الجھاؤ ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن دلائل کی تنقیدی جانچ سے الجھاؤ کو دور کیا جا سکتا ہے ـــــ تاریخ بنیادی طور پر ایک ایسا علم ہے، جس میں تنقید کے ذریعہ ہی حقیقت تک پہنچا جا سکتا ہے۔''[1]

لیکن ہماری بعض تحقیقات سیاست بن کر رہ گئی ہیں۔ جس بات کو قبول عام حاصل ہو چکا ہے۔ وہی کہنی چاہیے۔ اس کے خلاف زبان کھولی تو علمی حلقے بھی چراغ پا نظر آتے ہیں ـــــ دلائل و شواہد کی کوئی نہیں سنتا کہ سیاست میں دلیل سے زیادہ جذبات کی پوچھ ہوتی ہے ـــــ پاکستان کے ایک فاضل نے بہت خوب فرمایا:

''ریسرچ اور سیاست میں بڑا فرق ہے، سیاست داد کی طالب ہے اور قبول عام حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس میں صحیح یا غلط کا امتیاز بہت کم کیا جاتا ہے ـــــ سیاست یہ ہے کہ جو بات جمہور کی خواہش کے مطابق ہے، اسے اپنایا جائے۔ اس کے برعکس

[1] محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۲۴

ریسرچ کے تقاضے مختلف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ریسرچ کے نتیجے میں جو فکری شہ پارے پیش کریں، ان پر تنقید ہو اور آپ مطعون قرار دیئے جائیں اور آپ کا کام قبولیت کے درجے پر فائز نہ ہو —— لیکن بندۂ آزاد، داد کا طالب نہیں ہوتا۔''[۱]

واقعی ریسرچ، سیاست نہیں —— مگر ہماری تاریخ کے ایک حصے پر جو علماء وصوفیہ سے متعلق ہے، سیاست چھائی ہوئی ہے۔

- —— بعض مورخ تو وہ ہیں جو علماء حق سے قریب نہ ہونے کی وجہ سے ان سے بے خبر رہے،
- —— بعض کی وفاداریاں قوم پرست علماء کے ساتھ تھیں، وہ کھل کر نہ لکھ سکے،
- —— بعض نے تاویلات سے کام لے کر تاریخ کو مسخ کرنے کا فریضہ ادا کیا ہے۔
- —— بعض محض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے اپنے مخالف علماء کی خدمات کو نہ سراہ سکے۔

ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ آزادی ملے ہوئے تیس برس بیت جائیں اور قوم اپنے محسنین سے ناآشنا رہے —— محسن کشی، احسان فراموشی یا یوں کہیے کہ خود فراموشی کی بدترین مثالیں پیش کی گئیں —— پاکستان کی تاریخ میں علماء حق کے کردار کو جو ہاتھ اجاگر کر سکتا تھا وہ سُن ہو گیا —— اس لیے اب جب:

- —— وہ لکھا جاتا ہے جو نہ لکھا گیا،
- —— وہ کہا جاتا ہے جو نہ کہا گیا، اور
- —— وہ سنا جاتا ہے جو نہ سُنا گیا۔

تو جنہوں نے اس خزانے کو دفن کیا تھا، حیران ہو ہو کر پوچھتے ہیں:

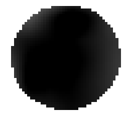
''کیا نئی تاریخ گھڑی جا رہی ہے؟

سُبحان اللہ، دفینوں کا کھوج لگانا اور چھپے خزانوں کو نکالنا بھی جرم ہے —— علماء حق نے تاریخ اسلام خصوصاً تاریخ پاک و ہند پر جو دور رس اثرات چھوڑے ہیں، تحقیقی نظر سے ان

---

[۱] ماہنامہ ''فکر و نظر'' اسلام آباد، شمارہ نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۳۲۹

کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ یہ کام کوئی علمی اور تحقیقی ادارہ ہی بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ اگر کسی فاضل نے اس طرف توجہ نہ فرمائی تو ان شاء اللہ راقم ہی اس اہم کام کا بیڑا اٹھائے گا۔



پیشِ نظر مقالے میں اس مدفون خزانے کی صرف ایک جھلک دکھائی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ان حضرات نے کس دل سوزی اور لگن کے ساتھ اسلام کی خدمت کی، اور سیاسی سطح پر مسلمانوں میں اسلامی حرارت پیدا کی۔ اور اس طرح پاکستان کے لیے فضا کو سازگار اور راہ کو ہموار کیا:

ع وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری

لیکن ان خدمات کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ ان حضرات کی کوشش فرقہ پرستانہ نہ تھی بلکہ مومنانہ تھی —— ہنود کے سیاسی طرزِ فکر نے اس میں اور شدت اور گہرائی، اسلام پرستوں نے تفرقہ ڈالا —— مخالفین کی طرف سے قائداعظم پر بھی یہی الزام لگایا جاتا ہے —— اس لیے ضروری سمجھا کہ جہاں ''السواد الاعظم'' کے مضامین کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے علماء حق کی خدمات کا جائزہ لیا جائے وہاں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ:

- —— ''متحدہ قومیت'' کا تصور محض سیدھا سادا تصور نہ تھا،
- —— اسکی جڑیں بڑی گہری تھیں،
- —— دراصل دو فلسفوں کا کھلا تصادم تھا،
- —— شرار بولہبی، چراغ مصطفوی سے آمادۂ پیکار تھا،
- —— ایک طرف فلسفۂ گاندھی تھا تو دوسری طرف فلسفۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)

شاید 'فلسفۂ گاندھی' کے غیر مسلم مؤیدین اسلامی حکومت کے یہ معنی لیتے تھے کہ:

''جہاں مسلمانوں کے علاوہ ساری اقلیتیں غیر محفوظ ہوں۔''

——لیکن یہ بات ''سوراج'' میں ممکن تھی کہ ہنود کے علاوہ سب محفوظ رہیں—— ''سوراج'' کی بات چھوڑیئے، ''لادینی حکومت'' کی بات کیجئے۔ یہاں بھی اقلیتیں اتنی محفوظ و مامون نہیں جتنی اسلامی حکومت میں ہوتی ہیں—— دنیا کی اسلامی حکومتوں اور لادینی حکومتوں کے تقابلی جائزہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی—— لادینی حکومتوں میں اقلیتوں کے ساتھ رہا سہا جو حسنِ سلوک ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ اس اقلیت کی ہم مذہب حکومتیں ہیں، یا پھر عالمی دباؤ ہے—— حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں اقلیت کے ساتھ حسنِ سلوک پر خوف خدا ابھارتا ہے، اور لادینی حکومتوں میں بندوں کا خوف—— خدا ہر جگہ ہے، بندہ ایک جگہ—— بندے کی نظر سے بندہ بچ سکتا ہے، خدا کی نظر سے نہیں بچ سکتا—— جب فرد میں خشیتِ الٰہی کا یہ عالم ہو تو وہ ہر حالت میں اقلیت کا نگہبان ہوگا—— اسی لئے ''فلسفۂ گاندھی'' سے فلسفۂ محمدی (ﷺ) بہت اونچا ہے۔

ع مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے

تو بات اتنی نہ تھی کہ وہ کہتے تھے:

''ہل مل کر رہو——''

اور ہم کہتے تھے:

''نہیں، ہم الگ رہیں گے——''

یہی سمجھا گیا اور یہی سمجھایا گیا، اور ایک عظیم تاریخی حقیقت کو نگاہوں سے اوجھل رکھا گیا—— نہیں نہیں بات یہ نہ تھی، بات یہ تھی کہ:

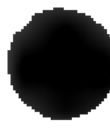
''رہنا ہے تو ہمارے بن کر رہو——''

اور ہم کہتے تھے کہ:

''ہم تو محمد مصطفےٰ ﷺ کے ہیں تمہارے بن کر نہیں رہ سکتے۔''

——یہ محبت کی آن کا مسئلہ تھا—— حریم ناز میں محبوب کی لاج کا مسئلہ تھا—— معمولی مسئلہ نہ تھا، بہت اہم مسئلہ تھا۔

اسلام کی نظر میں حقیقی آزادی یہ ہے کہ حکومت میں احکامِ الٰہیہ اور نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدارِ اعلیٰ ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر انگریز کی حکومت ہو یا ہندو کی، اسلام کی نظر میں برابر ہے۔ بلکہ اس کی زیادہ بہتر ہے جس کی حکومت میں مسلمان شعائرِ اسلامی پر پابند رہتے ہوئے زیادہ محفوظ ہوں —— اگر ''متحدہ قومیت'' کا تصور صحیح تھا تو ۱۹۴۷ء سے قبل اور بعد کے واقعات و حادثات پر نظر ڈالیے اور خود فیصلہ فرمائیے، اور یہ دیکھئے کہ وہاں مسلمانوں کی حالت اب بہتر ہے یا پہلے بہتر تھی؟ —— لازمی طور پر بعد میں بہتر ہونی چاہیے تھی مگر ایسا نہیں ہوا۔



اس نازک دور میں جبکہ قوم کا سیاسی شعور پختہ نہیں بعض حضرات ''متحدہ قومیت'' کے علم بردار علماء کے کردار کو محسن اسلام بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ اور شاید وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ غیر شعوری طور پر نئی نسل کے دل میں ان کی محبت قائم کر کے بالواسطہ طور پر ''متحدہ قومیت'' کے تصور کو پھیلا رہے ہیں۔ یہ طرزِ عمل نہایت ہی خطرناک ہے —— چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی غلطیوں سے قوم کو آگاہ کر کے ان کے مقابلے میں علماء حق کے کردار کو روشن کرتے اور اس طرح ان کے سیاسی شعور کو پختہ تر کرتے، مگر افسوس ایسا نہیں ہوا۔

راقم کا مقصد ہرگز ہرگز کسی کی تذلیل وتحقیر نہیں صرف پوشیدہ حقائق کو ظاہر کرنا ہے —— جس قوم کا ماضی اس کے سامنے نہیں، وہ نہ حال میں جی سکتی ہے اور نہ مستقبل کی تعمیر کر سکتی ہے، اس لیے قوم میں زندگی و حرارت کے لیے ماضی کا آئینہ دکھانا ضروری ہے۔ تو ہم صرف آئینہ دکھانا چاہتے ہیں۔[1]

[1] تقدیم ''تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم''، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

●

مطالعہ ومشاہدہ نیک وبد اور خیر وشر کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہے۔ پروپیگنڈے سے کچھ وقت کے لیے خیر کو شر اور نیک کو بد بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں —— مطالعہ کے بعد جب جہل ولاعلمی کے پردے اٹھتے ہیں تو مطلع صاف نظر آنے لگتا ہے۔

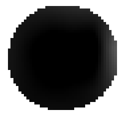
راقم بے بنیاد الزامات کے تعاقب میں نہیں پڑتا اور تعمیری وتخلیقی اور مثبت کام کو فوقیت دیتا ہے۔ کیونکہ بالعموم دیکھا یہ گیا ہے کہ قبول حق کے بجائے مخالف نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان میں آنے کی کوشش کرتا ہے —— اس کی کوشش ہمیشہ منفی رہتی ہے، مثبت نہیں —— اپنی بات نبھانے کے لیے ہزار جتن کرتا ہے، اس سے الزامات کے تعاقب سے مخالف کو پریشان کرنے اور مصروف رکھنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حالانکہ اختلاف رائے کی قدر کی جانی چاہیے۔ لیکن بعض دانشوروں کا حال تو یہ ہے کہ اختلاف رائے کی وجہ سے دوستی و محبت کو بالائے طاق رکھ کر مخالفت پر اتر آتے ہیں [۱] گویا تاریخی حقائق بھی کوئی عقائد ہیں کہ ان سے اختلاف کرنے والا گردن زنی قرار پائے —— راقم الحروف تاریخی حقائق اور عقائد دونوں کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کا قائل ہے۔ اختلاف رائے کی صورت میں دلائل وبراہین سے قائل کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ تاریخ کو تاریخ کے مقام پر رکھا جائے —— لیکن اگر عقیدے کا درجہ دے دیا گیا اور اس پر اصرار کیا گیا کہ ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' —— تو بات بگڑتی جائے گی اور ضد بحث کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس سے سوائے تلخیوں اور افتراق کے کچھ حاصل نہیں —— اس لیے راقم نے خود کو مثبت تحقیقات کے لیے

۱۔ یہی صورتحال راقم کو درپیش ہے، ایک دیرینہ کرم فرما جو بفضلہ تعالیٰ پی۔ ایچ۔ ڈی بھی ہیں۔ راقم سے اس لیے خوش نہیں کہ امام احمد رضا پر کیوں تحقیق کرتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''کیا احمد رضا خاں کے علاوہ آپ کسی اور موضوع پر لکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے؟''

(مکتوب محررہ ۲۶ نومبر ۱۹۸۰ء از اسلام آباد)

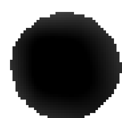
وقف کر رکھا ہے، گو بعض طبائع پر یہ بھی گراں ہے —— مخالفت جب عقیدۂ راسخہ بن جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں سوائے غیبی ہدایت کے۔[۱]



امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے عہد میں علوم دینیہ سے بے خبر دانشور ''اجتہاد'' کی شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے اور اس کا چرچا عام تھا۔ ان کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ ایک مشہور و معروف دانشور نے راقم سے کہا:

''انجیل میں صرف ونحو کی بہت سی غلطیاں بتائی جاتی ہیں (معاذ اللہ) قرآن میں بھی ایسا ہی ہوگا'' ——

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنی تحقیقات علمیہ سے ان دانشوروں کو خاموش کر دیا اور اجتہاد کا غلغلہ دب کر رہ گیا۔ حقیقت میں ''اجتہاد'' کے مطالبے کا محرک خالص سیاسی تھا، دینی و مذہبی نہیں تھا۔ جن حضرات کو ''صراطِ مستقیم'' اچھی نہیں لگتی وہ دوسری راہیں تلاش کرتے ہیں۔ پھر ان راہوں پر دوسروں کو چلانا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کی حقیقی قوت ڈھیر ہو جائے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ اسی صراط مستقیم پر چلتے رہے اور اس کی حفاظت کے لیے انہوں نے شدید قلمی جنگ کی جس کو فساد کا رنگ دے کر بدنام کیا گیا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)۔[۲]



دنیا اچھی بری چیزوں سے بھری پڑی ہے۔ زندگی بہت مختصر ہے انتظار نہیں کر سکتی۔ آن کی آن میں اچھی چیزوں کی اچھائی اور بری چیزوں کی برائی کا اندازہ لگانا عقل کے بس کی بات نہیں۔ وہ بینائی سے محروم ہے اور تجربوں کی محتاج ہے ——

اللہ تعالیٰ نے اپنے مجبور بندوں پر کرم فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا۔ آخر میں

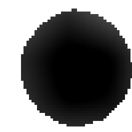
۱۔ تقدیم ''گناہ بے گناہی'' مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء

۲۔ تقدیم ''جامع الاحادیث'' مطبوعہ، گجرات، بھارت ۲۰۰۱ء

حضور انور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور وحی نے اس مشکل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آسان کر دیا، اور وہی آسان کر سکتی تھی۔ پھر:

- ——— قرآن وسنت کا پیغام پہنچانے والے پیغام پہنچاتے رہے،
- ——— اچھی اور بری چیزوں کو بتاتے رہے، اور
- ——— اللہ کے بندوں کی رہنمائی کرتے رہے۔

انہیں رہنماؤں میں مولانا احمد رضا خاں محدث بریلوی (م۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی شخصیت نہایت ممتاز ہے۔ عالم اسلام کے جلیل القدر محدث وفقیہہ اور مصلح ومفکر تھے ——— ایک عرصے تک ان کو نہیں سمجھا گیا اور ان کے بارے میں طرح طرح کی بے سروپا باتیں مشہور کی گئیں اور شکوک وشبہات پیدا کیے گئے ——— ان کی شخصیت کو مجروح اور سیرت کو داغ دار کیا گیا۔ لیکن ربع صدی سے عالمی سطح پر مختلف یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں میں مسلسل تحقیق نے حقائق کو روشن کر کے غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔[1]



امام احمد رضا نے بیسویں صدی کے ربع اول میں دو قومی نظریہ کا احیاء کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب کفر واسلام کے فرق کو مٹایا جا رہا تھا۔ امام احمد رضا نے پوری قوت سے اسلام کا دفاع کیا اور مسلمانوں کے ملی تشخص کو مجروح ہونے نہ دیا ——— اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا کی جدوجہد نے برصغیر کی سیاست میں ایک انقلاب برپا کر دیا ——— ڈاکٹر محمد اقبال اور بانی پاکستان محمد علی جناح جو اس زمانے میں ایک قومی نظریئے کے زبردست حامی تھے، اچانک دو قومی نظریئے کے مبلغ ہو گئے ——— ڈاکٹر محمد اقبال تلخ سیاسی تجربوں سے گزرے اور دو قومی نظریئے سے متعلق امام احمد رضا کے افکار وخیالات کو پڑھا اور پرکھا ——— قائد اعظم محمد علی جناح کو بھی انہی تجربوں سے گزرنا پڑا۔ پھر ڈاکٹر محمد اقبال کی فکری رہنمائی نے ان کو یکسر بدل

[1] تقدیم "خوب وناخوب" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

دیا ـــــ یہی وہ نظریہ ہے جس پر تصور پاکستان کی بنیاد رکھی گئی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد اقبال اور محمد علی جناح دونوں امام احمد رضا کے سیاسی افکار و خیالات سے متاثر ہوئے ـــــ پاکستان پر امام احمد رضا کا احسان ہے اگر وہ فکری زمین ہموار نہ کرتے تو ہم گل بوٹے نہ لگا سکتے ـــــ اس حقیقت کو فراموش کرنا بڑی احسان فراموشی ہوگی۔

اہل سنت و جماعت بالخصوص امام احمد رضا کے تلامذہ و عقیدت مندوں نے من حیث الجماعت تحریک پاکستان کی تائید و حمایت کی، اور اس تحریک کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ـــــ افسوس! یہ سچی تاریخ بہت دیر سے مرتب ہوئی۔ اس تاخیر سے اغیار نے فائدہ اٹھایا جو کسی نہ کسی طرح پہلے ہی اعلیٰ مناصب پر فائز ہو چکے تھے ـــــ تاریخ میں ایسی غلط باتیں داخل کر دی گئیں کہ تاریخ سے واقف کار جن کو پڑھ کر ہکا بکا رہ جاتا ہے ـــــ ڈاکٹر غلام سرور رانا، جلال الدین قادری، میاں محمد صادق قصوری وغیرہ نے مختلف فضلاء، علماء و مشائخ اہلِ سنت کی سیاسی خدمات سے متعلق کئی تحقیقی مقالات اور کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ پاکستان کے اساتذہ و طلبہ کو ان کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد المیہ یہ ہوا کہ جہانگیری کے مرحلے میں جن حضرات نے جدوجہد کی، ان کے احسانات کو فراموش کرتے ہوئے جہانبانی کے مرحلے میں ان کو دور کر دیا گیا، اور جہاں آرائی کے مرحلے میں تو اور دور کر دیا گیا ـــــ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ کوشش کی گئی کہ تحریک پاکستان کے جانثار و فدا کار نظام حکومت سے دور رہیں ـــــ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرات جو علمی اور فکری طور پر جمعیت العلماء ہند اور کانگرس کے ساتھ رہے، پاکستان کے اہم عہدوں پر قابض ہو گئے۔ اور ان کی بھرپور کوشش رہی کہ وہ علماء و مشائخ اہلِ سنت و جماعت جنہوں نے پاکستان کے لیے ان تھک جدوجہد کی، تاریخ اور ذرائع ابلاغ میں ان کے نام نہ آنے پائیں ـــــ خصوصاً امام احمد رضا بریلوی کا نام اور افکار و خیالات ـــــ یہ کوئی بدگمانی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ میرے سامنے بہت سے ایسے شواہد

ہیں۔مجبوراًاس حقیقت کا اظہار کرنا پڑا تا کہ یہ تاریخ کا حصہ بن جائے۔

بہر حال دیر آید درست آید ــــــ سر دست یہی غنیمت ہے۔

اہم مناصب پر اہلِ سنت و جماعت کے لائق جوانوں اور علماء کا خاص طور پر تقرر کیا جانا چاہیے۔پاکستان اور اس کے خزانہ پر ان کا حق ہے۔

- ــــــ ان کا دل پاکستان کے لیے صاف ہے۔
- ــــــ ان کا ذہن باغی نہیں۔
- ــــــ وہ وفا شعار و فدا کار ہیں۔
- ــــــ وہ پاکستان کا کھا کے ہندوستان کے گن نہیں گاتے۔[1]

[1] تقدیم "امام احمد رضا بریلوی اور حکومت پاکستان" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء

باب نمبر ۳

ایک ہمہ جہت شخصیّت

یکتائے روزگار کی ناقدری:

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز یکتائے روزگار تھے۔ ایسی تابندہ اور درخشندہ ہستیاں ملک وملت کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔ مگر افسوس ہم نے دفن کرنے کی لاحاصل کوشش کی۔ اور اس کے مقابلے میں ان حضرات کو آگے بڑھایا جو علم وفضیلت اور حکمت و بصیرت میں امام احمد رضا سے بہت کم تھے —— اگر ایسا نہ کیا جاتا اور امام احمد رضا کو ان کا صحیح مقام دیا جاتا تو آج دنیا میں ہم اسی طرح سرخرو ہوتے جس طرح حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہما العزیز جیسی بزرگ ہستیوں کو پیش کر کے سرخرو ہوئے —— آج ان دونوں حضرات کے افکار وخیالات پر نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ برطانیہ، امریکہ، فرانس، اٹلی، ترکی، اسرائیل، افغانستان وغیرہ ممالک میں تحقیقی مقالات شائع ہو رہے ہیں —— مستشرقین اس تلاش میں ہیں کہ کوئی ملے تو اس پر تحقیق کریں، اور ہم اس کوشش میں ہیں کہ کوئی ملے تو اسکو دفن کریں۔ اللہ اللہ ان کے ہاتھ میں لوح وقلم ہے اور ہمارے ہاتھ میں سامانِ تجہیز وتکفین وتدفین —— مگر

- —— لوح وقلم تو ہماری میراث تھی،
- —— لوح وقلم کے تو ہم مالک تھے،

حیف! یہ ہم نے کیا کیا!

امام احمد رضا دورِ آخر کے ایک عظیم فقیہہ تھے، ان کی تحقیقات کے سامنے ان کے معاصر مفتیوں کے فتوے پھیکے معلوم ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ —— ان کی علمی تحقیقات دیکھنے دکھانے کے لائق ہیں۔ ان کا مجموعہ فتاویٰ فقہی مسائل پر ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس خصوص میں وہ تنہا اپنے ہم عصر پر بھاری معلوم ہوتے ہیں [1]

---

[1] تقدیم "امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات" مطبوعہ مبارک پور ۱۹۸۵ء

مجدّدین کی فکری مماثلت:

حقیقت یہ ہے کہ مسلک اہل سنت وجماعت کے جس پیغام کو دسویں صدی ہجری کی عظیم شخصیت حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے عام کیا تھا، اُسی پیغام کو اعلیٰ حضرت مجدد ومحدث بریلوی علیہ الرحمہ نے عام کیا:

- ——دونوں نے عشق رسول اور اتباع رسول علیہ التحیۃ والتسلیم پر زور دیا۔
- ——دونوں نے سلف صالحین کے عقائد وافکار کی ترویج کی۔
- ——دونوں نے شریعت وطریقت میں فرق کرنے والوں کا محاسبہ کیا۔
- ——دونوں نے اہل بدعت اور باطل فرقوں کے خلاف قلمی اور علمی جہاد کیا۔
- ——دونوں نے گستاخانِ رسول، مدعیان نبوت، صحابہ واہلِ بیت کے دشمنوں کا تعاقب کیا
- ——دونوں نے مکاتیب کے ذریعہ حق وصداقت کی ترویج کی۔
- ——دونوں نے علماء ومشائخ کو اپنا مخاطب بنایا بلکہ حضرت مجدد الف ثانی نے بادشاہوں وزیروں اور فوجی افسروں کو بھی مخاطب بنایا اور ان کی اصلاح فرمائی۔
- ——دنوں نے دوقومی نظریہ کا احیاء کیا——ملی غیرت کو جگایا۔
- ——دونوں نے عوام وخواص کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، بلکہ حضرت مجدد الف ثانی نے حکومت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔
- ——دونوں کے خلفاء نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا اور برصغیر پاک وہند پر انقلابی اثر ڈالا۔
- ——دونوں نے ایسی تصانیف یادگار چھوڑیں جو پچھلوں کی سمجھ سے بھی بالاتر ہیں۔[۱]
- ——دونوں حضرات نے ویران دلوں کو آباد کیا اور انسانوں کو بنایا۔
- ——دونوں حضرات نے تبلیغ وارشاد میں اپنے اپنے ماحول کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا۔

۱۔ تقدیم "انتخاب حدائق بخشش" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

- ــــــ دونوں حضرات کے ملت اسلامیہ خصوصاً پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر بڑے احسانات ہیں۔
- ــــــ ہر آنے والا، جانے والے سے متاثر ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنے بعد آنے والے علماء و مشائخ اور مفکرین کو متاثر کیا ـــــــ اسی طرح اعلیٰ حضرت محدث و مجدد بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے بعد آنے والے بے شمار علماء و مشائخ اور مفکرین کو متاثر کیا۔
- ــــــ دونوں کے افکار کی چھاپ برصغیر اور بیرونی ممالک میں دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہے۔[1]

الغرض دونوں عالم اسلام کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔[2]

ایک کھلا معجزہ:

امام احمد رضا علوم عقلیہ میں مہارت کے لحاظ سے ابونصر فارابی۔ ابن سینا۔ ابوریحان البیرونی۔ ابن رُشد۔ عمر خیام وغیرہ کی فہرست میں آتے ہیں۔ بلکہ بعض خصوصیات میں ان مشاہیر سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔ امام احمد رضا کی وسعت علم کو دیکھتے ہوئے ان بندگانِ خدا پر تعجب ہوتا ہے جو حضور ﷺ کے علم میں کلام کرتے ہیں ـــــــ ذرا غور تو کریں جب ان کے غلاموں کی وسعت علم کا یہ عالم ہے تو آقائے دو جہاں کے علم کا کیا عالم ہوگا؟ ـــــــ سچ تو یہ ہے کہ امام احمد رضا علم رسول ﷺ کی وسعت کے لیے دلیل و برہان اور ایک کھلا معجزہ ہیں۔[3]

جامع فضائل و کمالات:

اس میں شک نہیں کہ بحیثیت فقیہ امام احمد رضا جامع فضائل و کمالات تھے:

- ــــــ وہ حق پسند بھی تھے، عدل گستر بھی اور حق گو بھی۔

۱۔ تقدیم ''امام احمد رضا اور حضرات نقشبندیہ'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

۲۔ تقدیم ''انتخاب حدائق بخشش'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

۳۔ حرف آغاز ''اکرام امام احمد رضا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

● ——— وہ امین بھی تھے، مخلص بھی تھے۔

● ——— زاہد و عابد بھی اور متقی بھی۔

● ——— وہ معقولیت پسند بھی تھے اور بلند خیال بھی۔

● ——— وہ بے ریا اور بے نفس تھے۔

● ——— ایسے صداقت شعار کہ قول و فعل میں اصلاً تضاد نہیں۔

● ——— وہ باغیرت تھے، باوقار تھے، ضدی اور ہٹ دھرم نہ تھے۔

● ——— جو کہتے اس پر عمل کر کے دکھاتے۔

● ——— بے باک و گستاخ اور خود سر و مغرور نہ تھے۔

● ——— زمانے کے نبض شناس تھے اور علوم و فنون کے ماہر۔

● ——— دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی سے بے نیاز۔

● ——— وہ ہوشیار تھے، بے خبر نہ تھے۔

● ——— ان کی نظر ہمہ گیر تھی اور ان کا قلم دل گیر۔

● ——— وہ صاحب بصیرت تھے۔

● ——— ان کی نظر پس منظر اور پیش منظر پر بھی رہتی تھی۔

● ——— وہ بندگانِ خدا کو مشکل میں نہیں ڈالتے تھے، ان کے خدا اور رسول نے جو سہولتیں ان کو دی ہیں، اس کا خیال رکھتے تھے۔

● ——— وہ زمانے کے اتار چڑھاؤ اور رسم و رواج کے نشیب و فراز سے واقف تھے۔

● ——— ان کا دماغ روشن، ان کا دل منور تھا۔

● ——— کتب احادیث و فقہ پر گہری نظر تھی۔

● ——— تمام مسائل شرعیہ معہ دلائل شرعیہ مستحضر تھے۔

● ——— وہ تصنیف کے ساتھ ساتھ، مصنف کے مقام و مرتبے سے بھی آگاہ تھے۔

- ــــــ ان کو زبان و بیان پر حیرت انگیز قدرت تھی۔
- ــــــ عربی، فارسی اور اردو میں بے تکان لکھتے چلے جاتے۔
- ــــــ ان کی فقہی نگارشات میں بھی بکثرت ادب پارے ملتے ہیں۔
- ــــــ انہوں نے تخلیق و تحقیق کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا کہ دورِ جدید میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔
- ــــــ ان کی طنزیات میں بھی تندی نہیں۔
- ــــــ وہ اپنے قاری کو پہچانتے ہیں اور اس کو مطمئن کر کے چھوڑتے ہیں۔
- ــــــ وہ اپنے قاری کو کسی الجھن میں مبتلا نہیں کرتے۔ مطالب و معانی خود ان کے ذہن میں صاف ہوتے ہیں۔
- ــــــ وہ بڑی صفائی سے اپنی باتیں صاف صاف بتاتے چلے جاتے ہیں، جو دل میں اترتی چلی جاتی ہیں۔
- ــــــ وہ دلائل و شواہد کے اتنے انبار لگا دیتے ہیں کہ قاری کا فکر و خیال پیاسا نہیں رہتا بلکہ ایسا سیر ہو جاتا ہے کہ پھر کبھی پیاس ہی نہیں لگتی۔
- ــــــ ان کی تحقیقات مبالغہ آرائی اور حشو و زوائد سے پاک ہیں۔
- ــــــ ان کے اسلوب میں قطعیت ہے۔
- ــــــ ان کو اپنے حافظہ پر پورا بھروسہ ہے۔
- ــــــ متون کی صحت کا خاص اہتمام رکھتے ہیں۔
- ــــــ معاصر شہادتوں کو چھان پھٹک کر قبول کرتے ہیں۔
- ــــــ علوم و فنون کی مصطلحات سے پوری طرح باخبر ہیں۔
- ــــــ انہوں نے علوم و فنون کو تفصیل و تشریح عطا فرمائی اور نظم و ضبط دیا۔
- ــــــ وہ دلائل و براہین کو ترتیب و تدریج کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔
- ــــــ وہ بڑی خوبی سے مضمون پھیلاتے ہیں، پھر سمیٹتے چلے جاتے ہیں، اور کمال مہارت

سے دریا کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں۔

● ——ان کے پاس جامعیت، صحت اور دیانت پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔

● ——ان کی فقہی تنقیدات بھی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات ہیں۔

● ——وہ جب فیصلہ کر لیتے ہیں تو پیچھے نہیں ہٹتے۔[1]

تحقیقاتِ علمیہ کی جہات و خوبیاں:

امام احمد رضا کی تحقیقات علمیہ کی مختلف جہتیں ہیں اور بے شمار خوبیاں ہیں، چند ایک یہ ہیں:

● ——احادیث کے ظاہر ہی نہیں باطن پر بھی نظر رکھتے ہیں اور منشاء رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

● ——جتنا اہم مسئلہ ہوتا ہے، اتنے ہی پایہ کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور تحقیق کا آغاز قرآنی آیات سے کرتے ہیں۔

● ——جہاں عقائد میں فساد کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں دفع فساد کے لیے کم تر اہم روایت کو زیادہ اہم روایت پر ترجیح دیتے ہیں۔

● ——جہاں کسی بزرگ کی شان میں کوئی مخالفانہ فتویٰ دینے پر مجبور ہوتے ہیں وہاں خود فتویٰ نہیں دیتے بلکہ فقہا کا قول نقل کر دیتے ہیں۔

● ——احیاء سنت میں اپنے موقف پر استقامت کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

● ——فیصلہ کرتے وقت اپنے اور بیگانے میں تمیز نہیں کرتے۔ جو حق سمجھتے ہیں وہی بیان کرتے ہیں، حق کو نہیں چھپاتے۔

● ——اسلاف سے اختلاف ہوتا تو ادب سے اختلاف کرتے اور اپنے دلائل پیش کرتے،

---

[1] افتتاحیہ "فقیہ اسلام" مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء

کبھی رعایت نہ فرماتے ہیں۔ اور اپنی بات منوانے کے لیے مصیطر نہیں بنتے۔

کسی حالت میں ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی علمی تحقیقات کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ محقق و مفکر اور مفتی کو مفسر و محدث بھی ہونا چاہیے، مدبر اور مؤدب و مہذب بھی ہونا چاہیے، مجاہد و غازی بھی ہونا چاہیے —— صرف کسی کی رائے نقل کر دینے سے مفتی نہیں ہوتا، جس کے فیصلے کی بنیاد حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ پر ہو، اور جو دانش برہانی کے ساتھ ساتھ دانش نورانی سے بھی فیض یاب ہو وہی مفتی و مفکر ہوتا ہے۔[1]

پاک و ہند کا عبقری:

- —— جس نے فرنگی تہذیب اور فرنگی افکار و خیالات کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔
- —— جس نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے اندر دوڑنے والی ''سوراج'' کی برقی لہروں اور مسٹر گاندھی کی سیاسی حکمت عملی کے راز کو اس وقت پایا جب کسی نے نہ پایا، ماسوائے چند ایک بزرگوں کے۔
- —— جس نے اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے بھرپور کوشش کی، ہر فرد مسلم کو ملی تشخص کا احساس دیا اور تحریک پاکستان کے لیے فکری راہیں ہموار کیں۔
- —— ہاں اس نے صرف اسلام کی خاطر ہندو مسلم اشتراک عمل کو کسی قیمت پر قبول نہ کیا۔
- —— وہ کوہِ استقامت تھا، اس نے حق کی خاطر ہر بے راہ سے ٹکر لی اور اپنی ناموس و عزت کو اسلام اور شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناموس پر قربان کر دیا۔
- —— وہ اسلام کے متوالوں، فدا کاروں اور جانثاروں کا سرتاج تھا، اس کا کوئی حریف نہ تھا۔

ع کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد!

---

[1] تقدیم ''جامع الاحادیث'' مطبوعہ گجرات، بھارت ۲۰۰۱ء

● ——اس نے ہر فکر کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھا اور کھوٹا کھرا الگ کر دکھایا۔

● ——اس کو دیوانہ کہا گیا مگر وہ فرزانوں کی آبرو تھا۔

● ——اس کو مکفر المسلمین کہا گیا مگر وہ تو سنت رسول علیہ التحیۃ والتسلیم کا پاسدار تھا۔

● ——اس کو فرنگیوں کا دمساز کہا گیا مگر وہ تو اسلامیوں کا خیر خواہ تھا۔

وہ ۱۹۲۱ء میں جبکہ پورا ملک کفر و شرک و بدعت کی لپیٹ میں تھا، نعرۂ مستانہ لگاتا ہوا، خوابیدہ قوم کو جگاتا ہوا اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گیا——اس کی آواز نے اپنی تاثیر دکھائی اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری قوم جاگ اٹھی۔

● ——اس کا ذہن برق رفتار تھا،

● ——اس کی آنکھ عرش نگاہ تھی،

● ——اس کا سینہ بحر ناپیدا کنار تھا،

● ——اس کا ہاتھ صبا رفتار تھا۔

وہ کیا تھا؟——وہ کون تھا؟——اس نے کیا کیا، کیا۔

ع

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

وہ سراپا حرکت تھا——اس کی زندگی جامد نہیں تھی——اس کی حرکت و عمل کے ایک نہیں بیسیوں پہلو ہیں۔ جس پہلو سے دیکھئے وہ متحرک نظر آتا ہے——حرکت عمل کے ان پہلوؤں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نہایت ہی فعال تھے۔

امام احمد رضا نے محسوس کیا کہ اصل جنگ انگریز سے نہیں بلکہ ہنود سے ہے۔ چنانچہ تقسیم ہند کے بعد امام احمد رضا کے اس خیال کی توثیق ہو گئی:

● ——کسی انگریز نے پاکستان سے جنگ نہ کی،

● ——نہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔

ہولی کھیلنے اور جنگ کرنے والے یہ ہنود تھے۔ جنہوں نے کبھی ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کے دل

پذیر نعرے لگائے تھے ـــــ یہ وہ حقیقت ہے جس کو زمانے نے نصف صدی بعد ظاہر کیا، لیکن امام احمد رضا نے ۱۹۲۰ء میں بلکہ اس سے بہت پہلے محسوس کر لیا تھا ـــــ اسی لیے انہوں نے فلسفہ گاندھی کے سامنے اسلامی فلسفہ کی بات کی ـــــ اپنوں اور بیگانوں میں جس نے فلسفہ گاندھی کی بات کی، اس کا شدت سے تعاقب کیا اور مؤثر رد کیا۔

جہاں تک امام احمد رضا کے مذہبی افکار کا تعلق ہے، وہ سنی حنفی اور پکے سچے مسلمان تھے ـــــ ایمان میں کسی لچک کے قائل نہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے معاصرین کے اقوال و اعمال پر سخت تنقید کی اور کفر کے فتوے بھی لگائے ـــــ چنانچہ ان کے مخالفین نے مشہور کر دیا کہ تکفیر مسلم امام احمد رضا کا محبوب مشغلہ تھا ـــــ لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق ان کا مسلک تھا، اور احیاء اسلام ان کا مقصد ـــــ اس مسلک کا جو مخالف ہوتا اور اس مقصد کی راہ میں جو حائل ہوتا، خواہ اپنا ہو یا بیگانہ ـــــ وہ پوری شدت سے اس کی مخالفت فرماتے اور اس کے لیے اپنی تمام فکری و عملی توانائیاں صرف کرتے۔ وہ اپنے مخالفین کی طرح اپنوں کی بھی رعایت نہ کرتے۔ یہی ان کا عدل گستری اور انصاف پسندی کا طرۂ امتیاز تھا، جو محسوس کیا جانا چاہیے۔

انگریزوں کے زیر اثر قدیم و جدید درسگاہوں اور علمی اداروں سے آزاد خیالی اور فکری کج روی کا جو ایک سیلاب امنڈا، امام احمد رضا اس سیلاب بے پناہ کے لیے بند ثابت ہوئے ـــــ بے شک اگر یہ بند نہ ہوتا تو آزاد خیالی اور بے راہ روی کا سیلاب نہ معلوم کتنوں کو بہا کر لے جاتا اور مستقبل کا کیا حال ہوتا؟ ـــــ اس حقیقت پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے ـــــ اور یہ بات مورخین کے لیے قابل توجہ ہے کہ:

"جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا ـــــ وہ کون تھا جس نے پوری قوم کو غار ہلاکت میں گرنے سے بچایا اور اس کو شعور جان و ایمان بخشا۔"

امام احمد رضا نے اوائل بیسویں صدی عیسوی میں جس اسلامی غیرت اور مومنانہ

بصیرت کا ثبوت دیا، اس کو ان کے بعض مخالفین نے انگریز دوستی پر محمول فرمایا ـــــ حالانکہ اواخر انیسویں صدی عیسوی میں انگریز کے حامی قلمکاروں اور رہنماؤں کے اقوال و اعمال پر وہ پہلے تنقید کر چکے تھے۔

جس کے دل میں محبتِ مصطفےٰ علیہ‌السلام جاگزیں ہو چکی ہو، اس کے دل میں نہ انگریز کی محبت جگہ پا سکتی ہے اور نہ کسی اور کافر و مشرک اور مرتد کی۔[1]

چنانچہ، جس کا ذکر کیا جانا چاہیے تھا، نہ کیا گیا ـــــ

- ـــــ شاعروں نے اس لیے چھوڑا کہ وہ عاشق صادق تھا وہ کسی کا شاگرد نہ تھا ـــــ شاگرد تو غالب بھی کسی کا نہ تھا مگر وہ عاشق صادق نہ تھا ـــــ وہ محبت سے کھیلتا تھا اس لیے سب نے اس کو یاد رکھا۔ ظاہر پرستوں کو شراب و کباب اور جھوٹی محبت میں بہت مزہ آتا ہے، سچی محبت میں ان کے لیے کوئی کشش نہیں۔
- ـــــ علماء نے بھی اس لیے چھوڑا کہ وہ سچی محبت کی بات کرتا تھا، وہ اپنے محبوب کا فدا کار اور جان نثار تھا۔
- ـــــ سیاست دانوں نے اس لیے چھوڑا کہ وہ جذبات کی رو میں نہیں بہتا تھا، وہ وہی کہتا تھا جو اس کا مولیٰ کہتا۔
- ـــــ اور اپنوں نے اس لیے چھوڑا کہ وہ صف سے باہر نکل کر حملے کیا کرتا تھا ـــــ وہ صفدر و صف شکن تھا ـــــ وہ غلامِ حیدرِ کرّار تھا۔

غرض سب نے چھوڑا ـــــ مگر اسکے ربّ نے اس کو نہ چھوڑا ـــــ اس کے محبوب نے اس کو نہ چھوڑا ـــــ ہاتھ پکڑا اور ایسا اٹھایا کہ پاک و ہند کے گلی کوچے اس کے نغموں سے گونج گئے ـــــ سنو سنو، ذرا یہ آواز تو سنو:

ع
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

۱۔ تقدیم "تنقیدات بر تعاقباتِ امام احمد رضا" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

سب نے آوازیں سنیں مگر دھیان نہ دیا۔

● ——— ادیبوں سے کہا:

''دیکھو دیکھو ذرا دیکھو، اس کی سنو۔''

● ——— شاعروں سے کہا:

''سنو سنو، ذرا اس کو سنو۔''

نہ کسی نے سنا اور نہ دیکھا ——— جس کا سکہ چلتا ہے، وہی چمکتا ہے۔ بازار عالم کا یہی دستور ہے ——— مگر دستور عشق نرالا ہے۔ کھرے سکوں کی چمک اپنی طرف متوجہ کر کے ہی رہتی ہے۔ کتنے ہی پرانے ہو جائیں، پرانے نہیں ہوتے ——— ان کا حسن سدا بہار ہے ——— ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی نکالے جاتے ہیں اور عالی شان محلوں میں سجائے جاتے ہیں۔ اور پھر ایک عالم ان کی دید کے لیے اُمنڈ پڑتا ہے ——— تو جب وہ چمکا جس کو دبا دیا گیا تھا۔

● ——— سب دیکھنے لگے،

● ——— سب بولنے لگے،

للہ الحمد، کہ آج وہ مسند عزت پر بٹھا دیا گیا ہے، فرزانوں کی بستی میں وہ ایک دیوانہ تھا:

● ——— جس نے محبت کے چراغ روشن کیے،

● ——— جس نے سونی محفلوں کو باغ و بہار بنایا،

● ——— جس نے کشتِ ویراں کو لالہ زار کیا،

● ——— جس نے آندھیوں میں دیئے جلائے،

● ——— جس نے طوفانوں میں کشتیاں جلائیں۔

وہ یدُ اللہ تھا ——— اس کے ہاتھ کی بے پناہ قوت بتا رہی ہے کہ وہ اس کا ہاتھ نہیں، وہ خدا کا ہاتھ ہے:

''میرا بندہ جب مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے

وہ پکڑتا ہے۔"

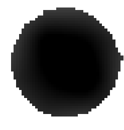
بے شک وہ خدا کا ہاتھ تھا ——— ایک انسان کے ہاتھ میں اتنی طاقت کہاں کہ:

- ——— جدھر بڑھے سیلِ رواں کی طرح،
- ——— جدھر اُٹھے ابرِ باراں کی طرح،

وہ اپنے محبوب کے بدخواہوں کی طرف جھپٹتا ہے۔ لیکن نہیں نہیں وہ بدخواہی کی طرف جھپٹتا ہے ——— اس کو انسانوں سے بیر نہیں، وہ محبت کا اسیر ہے ——— وہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ ہے۔ جن کی شان یہ تھی:

"ادھر تلواروں کی جھنکار سے میدانِ وغا گونج رہا ہے، ادھر وہ اشک بار آنکھوں سے اپنے دشمنوں کے لیے دعا مانگ رہے ہیں۔"

تو جب وہ ویران گھروں میں محبت کی سوغات لے کر پہنچا تو اس کو کیوں ٹھکرا دیا گیا۔[1]



حضرتِ رضا بریلوی دانشورانِ اسلام کے عظیم سلسلے کی اہم کڑی ہیں، جنہوں نے ملتِ اسلامیہ کے شاندار ماضی کے تاریخی تسلسل کو ٹوٹنے نہ دیا ——— ان کی تخلیقات سے وہی بے اعتنائی برتی گئی جو قرونِ وسطیٰ کے دانشورانِ اسلام کے ساتھ برتی گئی ——— حضرت رضا بریلوی کی تخلیقات، افکار و نظریات دنیائے اسلام کا انمول سرمایہ ہیں۔ انہوں نے دورِ غلامی میں احرار کے لیے ایک عظیم علمی ذخیرہ چھوڑا۔

حضرت رضا بریلوی نے فرقہ بندی کے خلاف سخت جدوجہد کی۔ وہ مسلک اہلِ سنت کے عظیم پیشوا تھے اور سلف صالحین کے سچے پیرو ——— انہوں نے ملت اسلامیہ کی تکفیر کے سیلاب عظیم سے محفوظ رکھا اور غریبوں کی عزت و ناموس، ایمان و یقین کو خاک میں ملنے نہ دیا۔[2]

[1] تقدیم "عاشق رسول" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء۔

[2] تقدیم "انتخاب حدائق بخشش" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

امام احمد رضا عہد جدید کی ایک عظیم شخصیت کا نام ہے، آپ کے فکر میں پاکیزگی،
حرارت، روشنی اور زندگی ہے ——— آپ اپنے پڑھنے والوں کو اپنے جہاں کی سیر کرا کے
مبہوت کر دیتے ہیں ——— آپ کی شاعری بہت بلند ہے، بڑے سے بڑے شاعر کی بھی
رسائی سے بلند۔

آپ کا ذہنی، فکری، جذباتی افق، بہت ہی وسیع ہے ——— اس کی وسعتوں میں
بڑے ادیب و دانشور حیران نظر آتے ہیں ——— امام احمد رضا کا کلام روح افزا، آپ کی فکر
حیرت افزاء ہے ——— وہ ایک چھلانگ میں زمین و آسمان کی بلندیاں طے کرتے نظر آتے
ہیں ——— ان کی پرواز حیرت ناک ہے ——— امام احمد رضا نے غزل کو اتنا بلند کیا کہ نعت
بنا دیا ——— جھوٹے محبوبوں سے دل ہٹا کر سچے محبوب کی طرف لگا دیا ——— دل کی متاع
گراں بہا کو ضائع ہونے نہ دیا ——— پراگندہ خیالی سے بچا کر یکسوئی عطا کی ——— بڑا
احسان فرمایا۔ امام احمد رضا کا کلام ان کی ذات کا بھی آئینہ ہے اور ان کے عہد کا بھی آئینہ
ہے۔[1]

●

سفر و حضر، سیر و تفریح، کلام و طعام، خوشی و غم ——— غرض وہ کسی حالت میں بھی اپنے
مولیٰ سے غافل نہیں، اس کے ذکر و فکر میں مصروف ہے ——— اور اس کے حبیب لبیب ﷺ
کے اذکار تو اس کی دل کی بہار تھے ——— دیکھنے والوں نے اس کی محفل میں انوار برستے
دیکھے:

● ——— اس کی سیرت آئینۂ شریعت تھی ——— سفر و حضر میں نماز با جماعت کا وہ اہتمام کہ
بایدو شاید ——— علالت اور شدت نقاہت کے باوجود وہ عصا کے سہارے اپنے
مولیٰ کے حضور کھڑا نظر آتا ہے۔

[1] تقدیم "شرح حدائق بخشش" جلد اول، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء

● ——جب تک دم میں دم رہا، اس نے دامن ادب نہ چھوڑا۔
● ——اس نے سر جھکایا تو خدا ہی کے آگے جھکایا اور غیر اللہ کے لیے سجدۂ تعظیمی حرام قرار دیا۔
● ——اس نے دردمندی و دل سوزی کے ساتھ ملت کی خدمت کی —— ہر کٹھن مرحلے پر رہنمائی کی۔
● ——تحریک خلافت میں خلافتِ شرعیہ کے حقیقی مفہوم کو اس نے پامال نہ ہونے دیا اور رسالہ ''دوام العیش'' لکھ کر کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔
● ——تحریک ترک موالات میں اس نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف سخت جدوجہد کی اور دو قومی نظریے کو زندہ رکھا۔
● ——شدت علالت اور مرض الموت کے باوجود اس نے رسالہ ''المحجة المؤتمنه'' لکھ کر کفر و اسلام کا فرق مٹانے والوں کو للکارا۔
● ——تبلیغ و اشاعتِ دینِ متین میں وہ ساری عمر سرگرم عمل رہا۔
● ——وہ ایسا خلوت نشین تھا کہ اپنے شہر کے گلی کوچوں سے بے خبر۔
● ——وہ ایسا جلوت پسند تھا کہ اعلاء کلمۃ الحق اور تبلیغ دین کے لیے پاک و ہند کے دور دراز علاقوں تک جا پہنچا:

وہ کلکتہ گیا —— وہ بمبئی گیا —— وہ عظیم آباد گیا —— وہ جبل پور گیا ——

. اور نہ معلوم کہاں کہاں گیا۔

مدنی آقا نے ارشاد فرمایا:

لایؤمن احدکم حتی یقال انه مجنون

''تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں، جب تک کہ دیکھنے والے اس کو دیوانہ نہ کہنے لگیں۔''

کفایت علی کافیؔ نے کس دل سوزی سے اس دیوانگی کی بات کی ہے:

ع دشتِ طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

اور اقبالؔ بھی اسی دیوانگی میں نظارۂ حیات کر رہے ہیں:

ع حیات کیا ہے؟ دل و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

جگرؔ نے اسی دیوانگی میں بگڑے کام سنورتے دیکھے:

ع کاروبار جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے

امام احمد رضا اندیشۂ این و آں سے بے نیاز تھا ——— وہ دیوانہ تھا دیوانہ ——— دیکھنے والوں نے اس کے زمانے میں کوئی اس جیسا دیوانہ نہ دیکھا ——— اس نے جو کچھ کیا اسی دیوانگی میں کیا ——— اور جو کچھ کہا اسی دیوانگی میں کہا ——— اسی لیے جن کو کہا انہوں نے بھی یہی کہا:

''ہم اس سے نفرت نہیں کرتے، وہ جو کچھ کہتا ہے مصطفٰے کی محبت میں کہتا ہے۔ یہ تو مصطفٰے کا دیوانہ ہے۔'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

اس نے قدم قدم پر تقویٰ شعاری کے نشانات چھوڑے ہیں۔

● ——— اس کی دیانت و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دعوت میں اپنے آگے رکھی ہوئی چیز بغیر صاحب خانہ کی اجازت کے اپنے ساتھیوں کو نہ دیتا تھا ——— اس نے دعوت میں مسجد کا ٹھنڈا پانی پینے سے انکار کر دیا کہ مسجد کا پانی صرف اور صرف نمازیوں کے لیے ہے۔

● ——— اس نے ہمیشہ اس راگ سے اپنے کانوں کو محفوظ رکھا جس کا سننا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہ فرمایا۔

- —— اس نے اپنی رضا کو خدا اور رسول ﷺ کی رضا پر قربان کر دیا تھا۔
- —— وہ مظہر خلق عظیم تھا۔
- —— اس نے حسن خلق کے روشن نمونے چھوڑے ہیں —— وہ بزرگوں کا احترام کرتا تھا اور چھوٹوں پر شفقت کرتا تھا۔
- —— اپنے دوستوں کی اس حد تک دلداری کرتا تھا کہ علالت و نقاہت کے باوجود اس کی دعوت رد نہ کرتا۔ وہ سخت صعوبتیں برداشت کرتا۔
- —— عطاء و بخشش میں وہ پیش پیش تھا۔
- —— اس نے ہاتھ پھیلا پھیلا کر مسند رسول ﷺ کو رسوا نہ کیا۔
- —— اس نے اپنا ہاتھ اپنے آقا کی طرح اونچا ہی رکھا۔
- —— اس نے اپنے دوستوں کو کبھی مایوس نہ کیا —— وہ بڑی مستعدی سے ہر خط کا جواب لکھتا۔
- —— اس کا قلم ایک چو۔ نصف صدی تک چلتا ہی رہا، اس نے لمحہ وصال تک قلم نہ چھوڑا۔

علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم

- —— وہ شکر گزار بندہ تھا، وہ شکر گزار بندہ اپنے مولیٰ کے احسانات کیسے فراموش کر سکتا ہے؟
- —— اس کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ وہ معقولات و منقولات میں یگانہ روزگار تھا۔
- —— علم ریاضی میں ضیاء الدین نے اس سے استفادہ کیا۔
- —— علم توقیت میں مفتی برہان الحق نے اس کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔
- —— تاریخ گوئی میں وہ یگانہ روزگار تھا۔
- —— وہ عربی شعراء کی طرح عربی میں شعر کہتا تھا۔
- —— اس نے ایک حیرت انگیز اور متحرک زندگی گزاری۔ اس کی زندگی میں حرکت ہی حرکت نظر آتی ہے۔

● ـــــ اس نے زندگی بھر دین متین کی خدمت کی، کوئی لمحہ خدا کی یاد سے غافل نہ گزارا۔ طمانیت قلب کے ساتھ وہ موت کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہے ـــــ اس کی طمانیت حیرت انگیز ہے ـــــ وصال سے صرف دو ہفتے قبل اس نے سفر آخرت کی ایسی دل جمعی اور اطمینان سے خبر دی جیسے دنیا میں کوئی کسی سفر پر جا رہا ہو ـــــ موت کے لیے خدا کے محبوبوں کے سوا کسی کو ایسا تیار نہ دیکھا جس طرح امام احمد رضا کو پایا ـــــ وہ ہنستا مسکراتا اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گیا۔

ع نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست [1]

●

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے امام احمد رضا کی معرفت کا اب تک حق ادا نہیں کیا۔ ان کا تعلق ایک عظیم مجاہد خاندان سے تھا، جو افغانستان سے تعلق رکھتا ہے ـــــ ان کے جد امجد علامہ رضا علی خاں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین کی بھرپور مدد فرمائی۔ جس کی پاداش میں انگریز جرنیلوں نے ان کے سر کی قیمت مقرر کی مگر مولیٰ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے محفوظ رکھا ـــــ امام احمد رضا کے جسم میں یہی خون تھا۔

شہید جنگ آزادی مولانا کفایت علی کافی ان کے محبوب شاعر تھے۔ انگریزی ظلم واستبداد کے اس دور میں انہوں نے اس شہید آزادی سے اپنی محبت کا برملا اظہار فرمایا اور دشمن سے خوف نہ کھایا۔

امام احمد رضا بڑے نڈر، جری اور بے باک تھے۔ وہ حیرت انگیز سیاسی بصیرت کے مالک تھے ـــــ آج سے اسی (۸۰) برس پہلے انہوں نے فرمایا تھا کہ:

"نصاریٰ، یہود و ہنود سب مسلمانوں کے دشمن ہیں۔"

---

[1] تقدیم "اکرام امام احمد رضا" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

اس دور میں ڈاکٹر محمد اقبال اور محمد علی جناح جیسے سیاست داں اور دیدہ ور بھی یہ بات نہ سمجھ پائے ـــــ بعد میں یہ حقیقت سمجھ میں آئی تو ایک قومی نظریہ کے یہ دونوں علم بردار دو قومی نظریہ کے علم بردار ہو گئے۔

امام احمد رضا ایک عظیم عبقری تھے۔ وہ اپنے زمانے سے بہت آگے دیکھتے تھے۔ ان کے فکر کے اس اہم ترین پہلو پر کوئی فاضل جلیل ہی تحقیق کر سکتا ہے ـــــ امام احمد رضا نے اپنے عہد کو بہت متاثر کیا اور کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔

تحریک آزادئ ہند کی سیاسی فضا عجائبات سے پر تھی ـــــ لیکن ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ:

''وہ لوگ جو خود کو موحد اور مسلمان کہتے تھے ان کی ہمدردیاں کفار و مشرکین ہند کے ساتھ تھیں ـــــ اور جن مسلمانوں کو یہ لوگ کافر و مشرک اور بدعتی تصور کرتے تھے، وہ ہمیشہ کفار و مشرکین ہند سے الگ رہے۔ اس گروہ احرار کے سرتاج و سردار امام احمد رضا تھے۔''

فطری طور پر مسلمان کو مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیے اور کافر و مشرک کو کافر و مشرک کا خیر خواہ ـــــ مگر ہندوستان کی سرزمین پر یہ عجوبہ بھی دیکھا گیا کہ:

''اسلام کے دعوے داروں نے ہنود کا ساتھ دیا ـــــ جو ان سے روٹھے، وہ ہمیشہ کے لیے چھوٹے بلکہ مردود اور مغضوب ٹھہرے۔''

گویا کفار و مشرکین کی امداد و اعانت اسلام کا نشان ٹھہری ـــــ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

امام احمد رضا نے دو قومی نظریہ کا احیاء کیا جو قیام پاکستان کی اساس ہے ـــــ امام احمد رضا کے خلفاء و تلامذہ اور متبعین نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا، اور مسلم لیگ کے مقابلے میں کسی نے کانگریس کا ساتھ نہ دیا ـــــ لیکن اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ:

- ـــــ پاکستان میں جو کچھ ہوا اور آج جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

● ——اور یہ بات بھی ان کے وہم و گمان میں نہ تھی کہ جو کچھ دکھایا جارہا ہے، وہ دیکھا نہ جا سکے گا۔

● ——اور جو وعدے کیے جارہے ہیں وہ پورے نہ ہو سکیں گے۔

دوقومی نظریہ کی حفاظت میں خانقاہ رضویہ بریلی کی ''جماعت رضائے مصطفےٰ'' نے اہم کردار ادا کیا—— دوسری تنظیم جس نے دوقومی نظریہ کے احیاء کے بعد سیاست میں اہم کردار ادا کیا، وہ آل انڈیا سنی کانفرنس تھی۔ ۱۹۴۶ء میں اس تنظیم کے تاریخ ساز اجلاس نے تحریک پاکستان میں وہ روح پھونکی کہ پاکستان ایک زندہ حقیقت بن کر ابھرا۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل سنت و جماعت کی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے وہی کھوئی ہوئی قوت حاصل کی جائے۔ جس نے پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے طول و عرض میں ایک ہلچل مچادی تھی—— اب تک اہل سنت و جماعت دور جدید کے سیاست دانوں کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے لیکن انہوں نے مایوس کیا اور مایوس کر رہے ہیں—— اس لیے وقت کا تقاضا ہے:

● ——مولائے کریم پر بھروسہ کرتے ہوئے پاکستان کے مسکینوں اور غریبوں کو موقع پرستوں کی گرفت سے نجات دلائی جائے۔

● ——دین دار طبقہ مملکت کے انتظامی امور میں شریک ہو کر اسلام کا رنگ دکھانے، اور

● ——محبت و خلوص اور عدل و انصاف کی ایسی فضا قائم کرے جو ہر قسم کی گھٹن سے آزاد ہو۔

اللہ تعالیٰ اس حسین انقلاب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! [۱]

ہمہ گیر و ہمہ جہت شخصیت:

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب چودہویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، عظیم المرتبت مفتی، بلند پایہ مصنف، صاحب بصیرت سیاست دان اور باکمال ادیب و

---

[۱] تقدیم ''امام احمد رضا اور تحریک پاکستان'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

شاعر تھے۔ پاک وہند کے محققین نے ہنوز ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ وہ دنیا بھر کے ہر محقق کی توجہ کے لائق ہیں۔ اگر ان کی فقہی اور علمی تصانیف، سیاسی بصیرت اور ان کے ادب وشاعری پر تحقیق کی جائے تو بہت سے راز ہائے سربستہ معلوم ہوں گے اور ہم بجا طور پر فخر کرسکیں گے کہ برصغیر سے ایک ایسا یگانہ روزگار عالم پیدا ہوا۔ جس کی نظیر نہ اس زمانے میں تھی اور نہ اب ہے اور حکیم عبدالحئی لکھنوی کا یہ اعتراف حقیقت بن کر سامنے آجائے گا:

"یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی و جزیاتہ یشہد بذالک مجموع فتاواہ

(عبدالحئی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد ہشتم ص ۴۱)

ترجمہ: "فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خان کو جو عبور تھا اس کی نظیر شائد ہی کہیں ملے، اس دعویٰ پر ان کا مجموعہ فتاویٰ شاہد ہے۔"[۱]

مولانا کوثر نیازی اپنے مقالہ کے آغاز میں ہی یہ چونکا دینے والا فیصلہ فرماتے ہیں:

"برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت شخصیت امام احمد رضا کی نظر آتی ہے، ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی۔"

(امام احمد رضا، ایک ہمہ جہت شخصیت، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۴)

راقم کے استاد گرامی اور ملک کے مایہ ناز محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان (صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا تھا —— اس میں شک نہیں کہ جس نے امام احمد رضا کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا، وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا۔

ع بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن
خوبیٔ یار کا جواب کہاں

۱۔ ابتدائیہ "الملفوظ" مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء

لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ایسی عظیم شخصیت بدگمانیوں اور الزام تراشیوں کے غبار میں چھپادی گئی تھی۔ اور مزید المیہ یہ کہ یہ کام مخالفت کی بنا پر بعض اہل علم نے جان بوجھ کر کیا۔ بہرحال یہ غبار چھٹ گیا ہے، اور امام احمد رضا پر ایشیا، افریقہ، امریکہ اور یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔

امام احمد رضا پر مخالفین نے بہت سے الزامات لگائے۔ سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا "بریلوی" نامی ایک فرقہ کے بانی تھے —— چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں ایک فرقے بریلوی کا بانی سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں۔" (ص ٦)

کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال (جنہوں نے بریلوی تحریک پر ڈاکٹریٹ (کیا ہے) سے جب راقم نے یہ کہا کہ:

"بریلوی کوئی فرقہ نہیں ہے۔"

تو وہ چونک گئیں اور حیرت سے منہ تکنے لگیں۔ جب سمجھایا تو فکر میں پڑ گئیں۔ اصل میں یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ عام تاثر یہی ہے کہ بریلوی ایک فرقہ ہے، جس کے بانی امام احمد رضا تھے۔ بقول ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی:

"حضرات اہلِ حدیث نے اہلِ سنت کو یہ لقب عطا فرمایا تھا۔ پھر اہلِ سنت نے اس لقب کو قبول کرتے ہوئے اپنایا اور بریلوی مشہور ہو گئے۔" —— حالانکہ:

ع مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق[1]

امام احمد رضا کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، وہ اپنے دور کے:

- —— عظیم مفسر بھی تھے اور محدث بھی،
- —— فقیہہ بھی تھے، مفتی بھی،
- —— مفکر بھی تھے، مدبر بھی،

---

[1] تقدیم "امام احمد رضا خاں بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیت" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء

● —— مصلح بھی تھے، مبلغ بھی،

● —— بے مثال شاعر بھی تھے، ناثر بھی،

● —— بے نظیر مصنف بھی تھے، مؤلف بھی،

● —— باکمال محقق بھی تھے، مدقق بھی،

مختصر یہ کہ وہ علوم نقلیہ و فنون عقلیہ میں یگانہ روزگار تھے —— ہندوستان ان پر فخر کرے تو اس کو زیب دیتا ہے —— عالم اسلام ان کے حضور خراج عقیدت پیش کرے تو اس کو بجا ہے۔[۱]

امام احمد رضا کی سوانح کے مختلف پہلو مستقل کتابوں کے متقضی ہیں اور یہ کوئی مبالغہ نہیں —— اس سلسلہ میں بہت سے ایسے نظائر ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت کا ہر پہلو وسیع و ہمہ گیر ہے۔

حیات امام احمد رضا کے لیے راقم السطور نے جب خاکہ مرتب کرنا چاہا تو محسوس ہوا کہ یہ حیات ایک انسائیکلوپیڈیا کی شکل اختیار کر جائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا اور پندرہ مجلدات کا خاکہ مرتب ہوا —— یہ خاکہ دس سال مسلسل مطالعہ کے بعد ذہن میں آیا۔ مزید مطالعہ و تحقیق سے افق پھیلتا جائے گا اور امکانات بڑھتے جائیں گے۔ مجوزہ پندرہ مجلدات میں بعض مجلدات تو ایسی ہیں کہ اگر ان کو وسعت دی جائے تو ایک جلد کی کئی کئی جلدیں بن جائیں، مگر سر دست اختصار و اجمال کو پیش نظر رکھا ہے۔[۲]

حقیقت میں امام احمد رضا کی شخصیت ایسی ہے جس کا بار بار ذکر ہونا چاہیے۔

● —— آپ کی نگارشات میں عشق رسول کی مہک ہے، گستاخیوں کا دھواں نہیں۔

● —— آپ کی تحریریں نورانی ہیں، ظلماتی نہیں۔

۱۔ تقدیم "تذکرہ مشائخ رضویہ" مطبوعہ بنارس ۱۹۸۹ء

۲۔ تقدیم "دائرہ معارف امام احمد رضا" مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

دورِ جدیدی کی متعفن اور تاریک فضاؤں میں ایسی مہکتی اور نورانی تحریروں کی ضرورت ہے۔ جو ذہن کو معطر کر دے اور دلوں کو جگمگا دے!

فکرِ رضا کی پرواز:

امام احمد رضا نے کہا تھا:

ع جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

غلط نہ کہا تھا —— جو کچھ کہا تھا، سچ کہا تھا —— محققین نے جانچا، ادب شناسوں نے پرکھا، دانشوروں نے دیکھا —— سب حیران رہ گئے —— امام احمد رضا کو زبان و بیان پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ الفاظ و حروف ان کے حضور پرا باندھے نظر آتے ہیں —— خیالات، الفاظ کے سانچوں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں —— وہ باتیں بنا بنا کے نہیں لکھتے —— ان کے فکر و خیال سے فوارے پھوٹتے ہیں —— ان کی ادبی نگارشات میں:

- —— پھوار کی سی ٹھنڈک ہے،
- —— پھولوں کی سی مہک ہے،
- —— ستاروں کی سی چمک ہے،

وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ سوچتے چلے جاتے ہیں اور حیرت انگیز رفتار کے ساتھ لکھتے چلے جاتے ہیں:

- —— جب ان کا مرغِ فکر پرواز کرتا ہے تو وہ قاری کو حیران کرتے چلے جاتے ہیں،
- —— جب طنز و ظرافت پر آتے ہیں تو دل و دماغ میں گدگدیاں کرتے چلے جاتے ہیں،
- —— جب وہ درد و سوز کی باتیں کرتے ہیں تو رلاتے چلے جاتے ہیں،
- —— جب فکر و تدبر کی بات کرتے ہیں، دامنِ دل کو کھینچتے نظر آتے ہیں،

ے تقدیم "ذکرِ رضا" مطبوعہ خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ ۱۹۸۷ء

ان کے ادب میں بے ادبی نہیں ـــــــ انکے فکر و خیال میں غفلت نہیں ـــــــ ان کا رنگ سب رنگوں سے اچھا ہے ـــــــ امام احمد رضا نے اردو نثر کو اپنے فکر و خیال سے مالا مال کیا ـــــــ یہ ایک سمندر ہے جو موتیوں سے بھرا ہوا ہے، یہ ایک گلشن ہے جو پھولوں سے مہکا ہوا ہے۔ [1]

ایک وہ علم ہے جو ہم اسکولوں اور کالجوں میں حاصل کرتے ہیں ـــــــ ایک وہ علم ہے جو ہم یونیورسٹیوں اور دانش گاہوں میں حاصل کرتے ہیں ـــــــ مگر ایک علم وہ ہے جو حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، جو عطا کیا جاتا ہے ـــــــ جس پر اس کریم کا فضل ہوتا ہے اس کو دیا جاتا ہے ـــــــ قرآن شاہد ہے، تاریخ تصدیق کرتی ہے:

- ـــــــ یہ علم انبیاء و رسل کو دیا جاتا ہے،
- ـــــــ پھر انہیں کے صدقے علماء و عرفا کو دیا جاتا ہے،

یہ علم امام احمد رضا کو بھی دیا گیا ـــــــ

- ـــــــ اسی علم کی ایک جھلک دیکھ کر ڈاکٹر سر ضیاء الدین انگشت بدنداں رہ گئے۔
- ـــــــ اسی علم کی ایک جھلک دیکھ کر امریکی ہیأۃ دان پروفیسر البرٹ ایف، پورٹا دم بخود رہ گیا۔
- ـــــــ اور اسی علم کی ایک جھلک دیکھ کر علمائے عرب و عجم حیران رہ گئے۔

امام احمد رضا کا یہ علم ابھی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے ـــــــ ہم تو اس علم کو بھی نہ پا سکے جو ان کی فکر رسا نے پایا تھا ـــــــ اس علم کی کیا بات کی جائے، جہاں عام انسانی فکر کی بھی رسائی نہیں۔ [2]

۱۔ تقدیم "امام احمد رضا کی نثر نگاری" مطبوعہ بریلی ۱۹۹۲ء

۲۔ تقدیم "محدث بریلوی" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

امام احمد رضا اللہ تعالیٰ کے ان مقرب اور برگزیدہ بندوں میں سے تھے جن کو لوح وقلم کے سہارے تو بہت کچھ ملا ہی تھا مگر فیض رب قدیر سے وہ کچھ ملا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا:

● —— یہی وہ علم ہے جس کی جھلک ان کی ہر تصنیف میں نظر آتی ہے۔

● —— یہی وہ فکر رسا ہے جس کو دیکھ دیکھ کر اہلِ علم حیران ہوئے جاتے ہیں۔

مشہور ریاضی دان اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے ایک مسئلے میں الجھ گئے، سلجھانے کے لیے جرمنی جانا چاہتے تھے۔ قدرت الٰہی ڈاکٹر صاحب کو امام احمد رضا کی چوکھٹ پر لے آئی، مسئلہ پیش کیا گیا، آن کی آن میں حل کر کے ڈاکٹر صاحب کو حیران کر دیا، انہوں نے یہی فرمایا:

''یہ علم لدنی ہے، کسب وریاض سے حاصل نہیں ہوتا، یہ عطائے ربانی ہے۔''

امام احمد رضا بکثرت علوم وفنون کے ماہر تھے۔ پہلے یہ تعداد ۵۵ تک شمار کی گئی، اب مزید تحقیق کے بعد ۷۵ ہو گئی ہے۔ کیونکہ علوم وفنون شاخ در شاخ پھیلتے جاتے ہیں —— امام احمد رضا کے آثار علمیہ میں جتنا غور وخوض کیا جائے گا، یہ تعداد بڑھتی ہی جائے گی —— امام احمد رضا ایک ایسا بحر بے کراں ہیں، جہاں بے شمار نہریں پھوٹتی ہیں —— وہ ہر علم وفن میں مہارت رکھتے تھے۔ مگر فقہ میں ان کو جو تبحر اور گہرائی حاصل تھی، اس میں وہ اپنی نظیر آپ تھے۔

یہ مبالغہ نہیں امام احمد رضا کی شخصیت، ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک جہان اور ایک سمندر ہے۔ جو یہاں آتا ہے گم ہو جاتا ہے —— ''جد الممتار'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا اس انداز سے تحقیق فرماتے ہیں کہ بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ تاریک گوشوں کو منور کر دیتے ہیں۔

● —— کبھی ایک اصل کے تحت جزئیات جمع کر دیتے ہیں،

● —— کبھی اصول کی روشنی میں نئے جزئیات کا استخراج کرتے ہیں، جس سے وسعت نظر

ونظر اور قوت استنباط کا پتہ چلتا ہے۔

● ——لغزشوں اور خطاؤں پر بھی گرفت کرتے ہیں، مگر ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ بزرگوں کے حضور جھکے رہتے ہیں اور اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں:

ع بے ادب محروم گشت از فضل رب

وسعت نظر کا حال نہ پوچھئے۔ ان بلندیوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جہاں فقہاء کی نظریں بھی نہ پہنچ سکیں —— جو حوالے صاحب ''درالمختار'' اور صاحب ''ردالمحتار'' کی نظر سے رہ گئے، ان حوالوں کا اضافہ کرتے ہیں —— جو مسائل علامہ شامی کی نظر میں واضح نہ تھے، ان کو واضح کرتے چلے جاتے ہیں —— جدید مسائل میں کتاب وسنت اور فقہائے کرام کے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں احکام کا استخراج کر کے مجتہد کی ضرورت کو چیلنج کرتے ہیں —— دورِ جدید میں وہی لوگ مجتہد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو اپنے علمی خزانے سے بے خبر ہیں۔ ایسے لوگ اجتہاد کی آڑ میں سلف سے فرار کا ایک بہانہ تلاش کرتے ہیں —— امام احمد رضا نے نئے مسائل میں احکام کا استخراج کر کے بتا دیا کہ مجتہد کی ضرورت نہیں البتہ علم فقہ پر بالغ نظری کی ضرورت ہے —— ''جدالممتار'' کے مطالعہ سے نہ صرف علم فقہ بلکہ علم حدیث میں امام احمد رضا کی کمال مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

امام احمد رضا بخوبی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ کہاں اور کس طرح ایک حدیث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے —— علامہ شامی نے جہاں بات بے دلیل چھوڑی، امام احمد رضا نے وہاں دلائل کی تشنگی کو دور کر دیا اور کوئی بات بے دلیل نہ چھوڑی —— دلائل وشواہد کی فراہمی میں امام احمد رضا اپنی نظیر آپ تھے، وہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی طرح راہِ فرار اختیار نہیں کرتے، بلکہ دلائل وبراہین کا تعاقب کر کے ایک ایک دلیل کو مستفتی کے سامنے پیش کرتے تھے اور مستفتی کو مستغنی فرما دیا کرتے تھے —— کوئی سائل دلائل طلب بھی نہ کرے۔ پھر بھی وہ نوازتے تھے اور بن مانگے عطا فرماتے تھے۔

امام احمد رضا کے قلب ونظر میں ایسی پاکیزگی تھی کہ اگر مختلف اقوال میں کچھ الجھن ہے تو وہ تطبیق فرما کر الجھن دور فرما دیا کرتے تھے ــــ یہ بات بڑی مہارت، جلاء قلب اور وسعت نظر سے حاصل ہوتی ہے ــــ اس طرح مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو دوسرے اقوال پر قواعد واصول کے مطابق ترجیح دینا بھی کوئی آسان کام نہیں، یہ بات فکر رسا سے حاصل ہوتی ہے ــــ امام احمد رضا اس میدان میں بھی گوئے سبقت لے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں ــــ ان کی طبع ایجاد پسند نے نہ صرف منقولات بلکہ معقولات میں بھی نئے نئے اصول وقواعد منضبط کر کے اہل علم کو حیران کر دیا ــــ وہ اپنے عہد سے بہت آگے دیکھتے تھے۔ وہ اپنے زمانے سے بہت آگے چلتے تھے ــــ ان کی سرعت فکر اور افتادِ نظر ایک تحقیقی مقالے کی مقتضی ہے۔

''جد الممتار'' میں امام احمد رضا کے علوم وفنون کی بہار بھی نظر آتی ہے۔ اور یہ راز کھلتا ہے کہ فقہ صرف ایک علم نہیں بلکہ یہ تو بکثرت علوم وفنون کا ''عطر مجموعہ'' ہے ــــ امام احمد رضا کو مختلف علمی مباحث کو پھیلانے اور سمیٹنے کی بھی حیرت انگیز قدرت تھی، اور یہ بات جبھی پیدا ہوتی ہے، جب علوم وفنون پر پورا پورا عبور حاصل ہو ــــ ایجاز واختصار امام احمد رضا کے کلام کی وہ خصوصیت ہے جو انکو معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔ بعض اوقات ان کا ایک ورق پوری کتاب پر بھاری ہوتا ہے۔ ــــ امام احمد رضا کی تصانیف اور حواشی وشروح کا مطالعہ کرنے والا قدم قدم پر دریا کو کوزے میں بند پائے گا ــــ الحختصر امام احمد رضا کا حاشیہ ''جد الممتار علی الرد المحتار'' ایک علمی عجوبہ ہے اور محشی کی فضیلتِ علمی پر حرف آخر۔[۱]

●

امام احمد رضا ایک صاحب فکر وصاحب بصیرت مدبرانہ سیاست دان تھے۔ بقول ایک فاضل، کسی مفکر کی اہمیت اس بات میں نہیں کہ:

---

[۱] تقدیم ''حاشیہ جد الممتار علی الرد المحتار'' مطبوعہ مبارکپور ۱۹۹۲ء

● ـــــ وہ کتنے گھن گرج کے ساتھ رونما ہوا،

● ـــــ کتنے آدمی شریک سفر ہوئے،

● ـــــ کس حد تک اس نے دنیا کا نقشہ بدلا،

بلکہ اس بات میں ہے کہ:

● ـــــ زندگی میں حسن وصداقت کے کتنے نامعلوم پہلو اس نے اجاگر کئے،

● ـــــ جو صورت حال اس فکر کی محرک تھی، اس کے ردعمل میں کس مثبت اور قائم بالذات عمل کی تخلیق کی گئی۔

● ـــــ وہ فکر زندگی کے لیے کیسے اعلیٰ مقاصد اور اقرار کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور ظلمت و بہیمیت سے نکال کر عدل وانصاف کی طرف لے جانے والا ہے۔

● ـــــ اس کی فکر نے انسانی زندگی کے ان ممکنات کو کس درجہ وسیع کیا جو اس وقت تک ممکن نظر نہ آتے تھے، جب تک وہ وقوع پذیر نہ ہو گئے۔

● ـــــ اس کی فکر نے انسانی زندگی اور تاریخی ادوار پر کیسا اور کتنا اثر ڈالا ہے؟

اس معیار فکر کو سامنے رکھئے اور پھر دیکھئے کہ امام احمد رضا نے ملت اسلامیہ کو کیا کچھ دیا اور اپنے فکر ونظر سے کس طرح رہنمائی فرمائی۔ بلاشبہ امام احمد رضا اپنے دور میں ایسے یکہ وتنہا فرد نظر آتے ہیں۔ زمانے کے نشیب وفراز سے جن کی فکر میں کبھی لچک پیدا نہ ہو سکی۔ ان کی فکر رسا معاصر شخصیات تو شخصیات اداروں کی مجموعی فکر پر بھاری معلوم ہوتی ہے۔[1]

امام احمد رضا کی علمی خدمات ہمہ جہت ہیں، ان کی علمی خدمات کے تنوع کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تقریباً ۲۲ سال سے ان کی علمی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر کام ہو رہا ہے، اور مسلسل نئے نئے عنوانات سامنے چلے آ رہے ہیں ـــــ ان کی علمی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ علمائے عرب وعجم نے ان کے حضور استفتاء پیش کر کے فتوے حاصل کیے۔

[1] تقدیم "دوام العیش" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

امام احمد رضا کو مختلف علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ میں تبحر حاصل تھا۔ انہوں نے تقریباً پچاس علوم وفنون میں اپنی علمی یادگاریں اور آثار چھوڑے ہیں ــــــ انہوں نے اپنی عقل رسا اور فیضان الٰہی سے بکثرت علوم وفنون میں نئے نئے قواعد وضوابط اور اصول وضع کیے ہیں۔ اس سے علوم وفنون پر ان کی گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے ــــــ یہ پہلو بھی مقالہ ڈاکٹریٹ کا بہت ہی مفید عنوان بن سکتا ہے۔ دوسرا اہم موضوع:

''امام احمد رضا کا اپنے زمانے سے آگے سفر''

بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی فکر رسا اپنے زمانے سے بہت آگے دیکھتی تھی ــــــ ان کی شان تدریس اور وسعت مطالعہ کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور جب ''عقائد نسفی'' کا مطالعہ فرمایا تو ستر سے زیادہ شروح وحواشی نظر میں رہے۔

(اظہار الحق الجلی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۸۶ء، ص ۲۴، ۶۷)

گویا ہر فن کی کتابوں کو پوری طرح کھنگالتے اور متن کا مطالعہ کے وقت ما قبل علمی ذخیرے سے پورا پورا استفادہ حاصل کر کے باخبر رہتے۔ پھر جو کچھ فیضِ ربِ قدیر سے قلب پر وارد ہوتا، قلم بند فرما کر اہلِ علم کو حیران کرتے ــــــ علم مدرسوں اور کالجوں سے تو حاصل کیا جاتا ہی ہے، مگر ایک علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو براہِ راست عطا فرماتا ہے۔ اسی علم کو ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے ''دانش نورانی'' سے تعبیر فرمایا ہے ــــــ امام احمد رضا کو اس علم سے وافر حصہ ملا تھا۔ اور یہی وہ علم ہے جس کو دیکھ کر ڈاکٹر سر ضیاء الدین حیران رہ گئے تھے۔

امام احمد رضا کی اس شان علم کو دیکھتے ہوئے افغانستان کے قاضی القضاۃ ابوالفتح شیخ الحدیث علامہ محمد نصر اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ امام احمد رضا کو ''مجتہد وقت'' قرار دیتے ہیں[۱]

ملت اسلامیہ کے پاسبان:

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پاک وہند میں سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ فکر وخیال

[۱] تقدیم ''امام احمد رضا کی علمی خدمات'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء

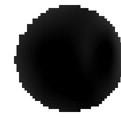
میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں۔ مختلف تحریکیں سر اٹھانے لگیں۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت (جو ہر عہد میں دشمنانِ اسلام کے لیے ایک چیلنج رہی ہے) کی تقسیم در تقسیم کا اہتمام کیا جانے لگا۔ یہ ایک طویل اور المناک داستان ہے جس کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے ـــــ شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض علماء نے تقسیم کے اس عمل میں اہم کردار ادا کیا، اور دشمنانِ اسلام کے ہاتھ مضبوط کیے ـــــ امام احمد رضا نے جو اس دور پُر آشوب میں ملت اسلامیہ کے پاسبان اور محافظ بن کر مجاہدانہ آن بان سے ابھرے، تقسیم کے اس عمل پر کاری ضربیں لگائیں ـــــ انہوں نے تقسیم کی ہر کوشش کا تعاقب کیا تاکہ ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ نہ ہو۔

ایمان کی حرارت اور اسلام کی رونق عشق رسول (ﷺ) اور احساس عظمت رسول (ﷺ) سے ہے، یہی حرارت وعشق مسلمانوں کو اللہ کے حضور بھی باادب بناتے ہیں۔ اللہ کی پہچان رسول انور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ ہی سے میسر آتی ہے۔ آپ کو بھلا دینا، آپ کی تحقیر وتخفیف کرنا بدبختی اور احسان فراموشی کی انتہا ہے ـــــ امام احمد رضا نے توحید ورسالت کے عالمگیر اسلامی تصور کے ساتھ ساتھ عشق وعظمت مصطفےٰ ﷺ کا نقش مسلمانوں کے دلوں میں بٹھایا، روحوں کو جگایا، ہر اس قول اور اس تحریک کا سختی سے نوٹس لیا۔ جس سے مسلمانوں کو عشق و عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کے احساس سے محروم کر کے راکھ کا ڈھیر بنانے کی کوشش کی گئی۔

چنانچہ بعض علماء نے یہ کوشش کی، مثلاً:

- ـــــ مولوی محمد قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس" میں بعض ایسی باتیں لکھ دیں جن سے ختم نبوت کے عقیدے پر زد پڑتی تھی،
- ـــــ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے "براهین قاطعه" میں ایسی بات لکھ دی جس سے معاذ اللہ، اللہ سے جھوٹ کی نسبت ثابت ہوتی تھی۔
- ـــــ مولوی اشرف علی تھانوی نے "حفظ الایمان" میں ایسی باتیں لکھ دیں جن سے حضور انور ﷺ کے علوم ومعارف کی حیوانوں اور درندوں سے مماثلت پائی جانے لگی۔ (معاذ اللہ)

امام احمد رضا نے اس قسم کی تحریروں کا سختی سے نوٹس لیا اور ''حسام الحرمین'' (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) اور ''تمهید ایمان بآیات قرآن'' (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) وغیرہ میں دلائل و براہین سے ان کا رد کیا، اور قائلین پر شرعی فتوے نافذ کیے ـــــــ قائلین کی طرف سے مولوی ثناء اللہ امرتسری اور مولوی مرتضی حسن دربھنگی نے جوابات دیئے اور سعی لاحاصل کی۔ اہل سنت کی طرف سے جواب میں تقریباً آٹھ رسائل لکھے گئے۔[1]



تقریباً دو سو سال قبل مولوی اسماعیل دہلوی کی تصنیف ''تقویة الایمان'' کی اشاعت کے بعد ملت اسلامیہ میں انتشار و افتراق پیدا ہوا جو بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، گھٹتا نہیں ـــــــ حضور انور ﷺ کی ذات اقدس جس کو محبوب و مطلع بنایا گیا تھا، نہ ختم ہونے والے بحث و مباحثہ کا محور بن گئی ـــــــ یہ ایک عظیم المیہ نہیں یہ گھر کا رونا ہے ـــــــ جو دل و دماغ ناموس مصطفے ﷺ کا مسکن تھے، وہاں گستاخیاں بسیرا کرنے لگیں، گلشن اجڑنے لگے، باغ ویران ہونے لگے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ ابر بہار بن کر آئے، آیات و احادیث کے وہ چمن کھلائے کہ دماغ معطر ہو گئے اور دل روشن ہو گئے ـــــــ مولوی اسماعیل دہلوی کی نہایت ہی دل آزار باتوں کا نہایت ہی دل آویز جواب اس تحریر میں دیا ہے:

منية اللبيب ان التشريع بيد الحبيب (۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء)

یہ تحریر کیا ہے، ایک مہکتا باغ ہے، جس کا ایک ایک پھول مشام جان و ایمان کو معطر کر کے مست و بے خود کیے دیتا ہے ـــــــ اس رسالے میں محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بکثرت آیات و احادیث سے ثابت کیا ہے کہ:

''محبوب رب العالمین ﷺ مجبور و بے اختیار نہیں بلکہ اس کے کرم سے حاکم و مختار ہیں۔''

[1] تقدیم ''افتائے حرمین کا تازہ خطبہ'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء

کہا جاتا ہے کہ محدث بریلوی نے سیرت پر کوئی کتاب نہیں لکھی اللہ اکبر! محدث بریلوی کا تو محور فکر ہی سیرت ہے، انہوں نے سیرت کے ان گوشوں پر قلم اٹھایا ہے جن کو سیرت نگاروں نے چھوا تک نہیں ـــــ جن فضائل پر سیرت نگاروں نے ایک دو صفحے لکھے، محدث بریلوی نے کئی تحقیقی مقالے لکھ ڈالے۔

- ـــــ جب محدث بریلوی سیرتِ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم پر سوچتے ہیں تو ان کی پرواز فکر دیدنی ہوتی ہے۔
- ـــــ جب وہ سیرت حبیب لبیب ﷺ پر لکھتے ہیں تو ان کی روانی قلم دیدنی ہوتی ہے۔

یہ رسالہ اس دعوے پر شاہد عادل ہے۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے سیرت رسول کریم ﷺ کے حوالے سے عجیب وغریب بحث کا آغاز کیا: ـــــ ''مجبور یا مختار''

اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اپنے حلقۂ اثر میں حضور انور ﷺ کو مجبور و بے اختیار ثابت کرنا چاہا ـــــ کہا جاتا ہے کہ وہ دانا و بینا عالم و فاضل تھے، اگر ایسا تھا تو پھر یہ بات ضرور سمجھ میں آنی چاہیے تھی کہ:

> ''جب ملک کا ایک عام وزیر اور افسر اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں مختار ہوتا ہے، بلکہ اختیار کے حوالے ہی سے اس کو وزیر و افسر جانا اور مانا جاتا ہے ـــــ اختیار نہ ہو تو وزیر وزیر نہیں ـــــ اور افسر افسر نہیں۔''

تو پھر احکم الحاکمین نے جس کو اپنا نائب، خلیفہ، خاتم النبیین اور رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا، وہ کیسے مجبور و بے اختیار ہو سکتا ہے ـــــ یہ بات تو عقلی ہے جو عقل والوں کی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ مگر جو نقل سے جاننا چاہتے ہیں، ان کے لیے آیات و احادیث کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے ـــــ افسوس صد افسوس!

- ـــــ ملت اسلامیہ نے جس کو اپنا قائد و رہنما سمجھا، اس نے خیانت کی اور سچی باتیں نہ بتائیں، حق کو چھپایا۔

● ـــــ اور جس نے سچی باتیں بتائیں اور حق کو عالم آشکار کیا، اس کو تیر ملامت کا نشانہ بنایا گیا، اس پر تہمتوں کے انبار لگا یئے گئے۔

یہ ہماری تاریخ کا عظیم المیہ ہے۔ جس کی طرف حق پسند مورخین کو توجہ دینی چاہیے۔

نہ معلوم ہم کو کیا ہو گیا، ہم مدح کے حوالے سے بادشاہوں کے بارے میں اتنے حساس نہیں جتنے حضور انور ﷺ کے بارے میں حساس ہیں ـــــ اس ماحول میں جہاں قصیدہ گو شعراء بادشاہوں کی شان میں اور اپنے ممدوحین کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ توحید کے کسی پرستار نے ان کی زبان کو لگام نہ دی اور کسی نے کفر و شرک کا حکم نہ لگایا ـــــ ایک دنیوی بادشاہ کے لیے منہ سے نکلنے والی ہر نامعقول بات حق و صحیح سمجھی گئی، بلکہ اس کو تاریخ و ادب کا حصہ بنا دیا گیا۔ مگر جب بات محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت و مدح کی آئی تو سچی باتیں بھی کڑوی معلوم ہونے لگیں ـــــ اہل دانش اور اہل ادب کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے،

محدث بریلوی اپنے ممدوح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صفت و ثنا میں رطب اللسان ہیں ـــــ جو کچھ کہتے ہیں، وہی کہتے ہیں جو قرآن و حدیث میں موجود ہے ـــــ وہ عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے، وہ قرآن و حدیث سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ یہی ان کا طرۂ امتیاز ہے ـــــ ملت اسلامیہ کو ان سے دور رکھنے کے لیے یہ بات مشہور کر دی گئی کہ:

''وہ قرآن و حدیث سے واقف نہیں تھے۔''

مگر سچی بات دیر تک چھپی نہیں رہتی، ظاہر ہو کر رہتی ہے ـــــ علم تفسیر و علم حدیث میں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا پایہ بہت بلند تھا ـــــ علمائے عرب نے ان کو مفسر و محدث مانا ہے، چنانچہ:

● ـــــ شیخ حمدانی ولیسی الجزائری نے محدث بریلوی کو ''المفسر، المحدث'' لکھا ہے۔

(الدولۃ المکیۃ، ص ۸۸)

● ـــــ اسی طرح شیخ یاسین احمد الخیاری نے ''امام المحدثین'' لکھا ہے۔

(الدولۃ المکیۃ، ص ۲۷۰)

● ـــــ محدث بریلوی کے درس و مطالعہ میں پچاس سے زیادہ کتب حدیث رہتی تھیں۔

(اظہار الحق الجلی، ص ۲۴، ۲۵)

یہ تمام تفصیلات محض اس لیے عرض کی گئیں تا کہ قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے کہ علم حدیث میں محدث بریلوی کا پایہ کتنا بلند تھا، جس کو مخالف و موافق سب نے تسلیم کیا ہے، لیکن جن کے مزاج میں ضد و ہٹ دھرمی ہے انہوں نے نہ مانا کیونکہ وہ بعض وجوہ کی بنا پر معذور ہیں۔

احادیث شریفہ محبوب کریم علیہ السلام کی میٹھی میٹھی باتیں ہیں ـــــ محدث بریلوی عاشق رسول ﷺ تھے۔ عاشق کو معشوق کی باتیں نہ معلوم ہوں گی تو کس کو ہوں گی؟ ـــــ اور وہ ہم کو نہ بتائے گا تو اور کون بتائے گا ـــــ آپ نے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح فرمادی کہ سرور عالم ﷺ اپنے رب کریم کی عطا سے مختار ہیں:

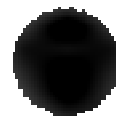
● ـــــ جو چاہیں، حکم فرمائیں،

● ـــــ جس کو چاہیں، عطا فرمائیں،

● ـــــ جس کو چاہیں، معاف فرمائیں،

ع خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا، تو تو ہے عبد مصطفےٰ

تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے [1]



فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی زندگی کے عظیم مقاصد میں آپ کا اولین مقصد سید المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی حمایت کرنا اور گستاخانِ رسول کی توہین آمیز زبان درازیوں کا جواب دینا تھا۔

برصغیر کی نظریاتی تاریخ کو زیرِ نگاہ رکھنے والے حضرات اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ

ا۔ تقدیم "مالک و مختار نبی" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء

موجودہ صدی کے آغاز میں دینی فتنوں نے مسلمانوں کے افکار وعقائد کو بری طرح متاثر کیا تھا:

- ـــــ مغربی ممالک کے متعصب پادریوں کی فوج انگریز کے اقتدار کے پرچم کے نیچے اسلام پر تابڑ توڑ حملے کر رہی تھی۔
- ـــــ ہندو اور آریہ سماجی ایک عرصہ کی غنودگی کے بعد فضا کو ہموار پا کر میدانِ مناظرہ میں نظر آنے لگے تھے۔
- ـــــ پنجاب میں قادیانی نبوت مسلمانوں کے نظریات کو ایک نئی نبوت سے آشنا کرانے میں مصروف عمل تھی۔
- ـــــ پادری، آریہ سماجی، قادیانی اور نیچری تو مسلمانوں کے نظریات وافکار کے حصن حصین کی دیواروں سے سر پھوڑ رہے تھے ـــــ مگر سب سے قابل افسوس اور مکروہ کردار ان علماء قسم کے گستاخانِ رسول کا تھا جو مسلمانوں کے قلعے کے اندر بیٹھ کر ذہنی اور اعتقادی انتشار کا کھیل کھیل رہے تھے ـــــ ان لوگوں نے اپنوں کی شکل وصورت میں ملت اسلامیہ میں عظمت رسول ﷺ اور محبت رسول اکرم فداہُ امی وابی پر شکوک وشبہات کی فضا پیدا کر دی تھی۔

نظریات اور اعتقادیات کی اس جنگ میں بیرونی جارحیت تو انگریز کی حکمت عملی کا ایک حصہ تھی، مگر گستاخانِ رسول نے بھی ففتھ کالمسٹ کا کردار ادا کر کے ملت کی شیرازہ بندی کے بھیانک اثرات مرتب کیے۔

فاضل بریلوی اور آپ کے رفقاء کار نے ابتداء میں تو ان لوگوں کو خط وکتابت سے ان نتائج سے خبردار کیا جو ان کی نادان دوستی سے رونما ہونے والے تھے ـــــ پھر کتابوں کی شکل میں ان سے احتجاج کیا گیا کہ وہ اپنے ان مذموم نظریات پر نظر ثانی کریں ـــــ مگر یہ لوگ باز نہ آئے تو آپ ۱۳۲۳ھ میں علماء حرمین شریفین کے پاس پہنچے، اور بھرپور کوشش کی، شاید اس پاک سرزمین کے علماء کرام کی رائے سے ہی یہ لوگ کوئی سبق حاصل کر لیں، مگر برصغیر

کے برخود غلط وہابی، دیوبندی علماء نے کچھ اثر قبول کرنے کی بجائے اپنی گستاخانہ عبارات کی عجیب و غریب تاویلیں کرنا شروع کر دیں، جو بدتر از ارتکاب گناہ تھیں۔

اندریں حالات ۱۳۲۵ھ میں فاضل بریلوی نے ایک دردناک فریاد، ایک پُر آشوب استغاثہ اور ایک خونچکاں نظم بعنوان ''الاستمداد'' شائع کی، جس میں:

- ——ان لوگوں کے ظلم و ستم،
- ——بارگاہِ خداوندی میں زبان درازیاں،
- ——بارگاہِ رسالت میں گستاخیاں، اور
- ——مسلمانوں کے پاکیزہ نظریات پر جارحانہ حملوں کی داستان مرتب کر دی،

فاضل بریلوی کی یہ کوشش آسان نظم میں:

- ——اہل دل کو خون کے آنسو رلائے گی،
- ——اعتقادی سفر کے قافلہ والوں کے ڈگمگاتے قدموں کے لیے سہارا بنے گی،
- ——پھر ان نقاب پوشوں کے سیاہ عزائم کو بے نقاب کر دے گی، جو اہل سنت کے ایمان و ایقان کی دولت کے خلاف نقب زنی کر رہے ہیں۔

اشعار چھوٹی بحر میں ہیں، مگر ایک ایک مصرعہ دیوبندیوں کے پُر فریب عقیدے کی مکمل تصویر ہے——اگرچہ نظم کے نشتر بعض سادہ لوح اور نو آموز دیوبندی حضرات کے لیے باعثِ تکلیف ضرور ہوں گے، مگر ان کے پرانے اور محروم صلاحیت حضرات تو جانتے ہیں:

یہ رضا کے نیزے کی مار ہے　　جو عدو کے سینے میں غار ہے

وہ عام مسلمانوں کے سامنے اپنے زخم دکھاتے پھریں گے اور کہتے پھریں گے:

''لوگو دیکھو ہمیں کیا ہو گیا ہے؟''

مگر زخم دیکھنے والے ان کی دشنہ زبانی سے واقف ہیں۔ انہیں شاید یاد دلانے کی ضرورت نہ ہو کہ:

''ان لوگوں کی زبان درازیوں نے عصمت مصطفوی اور کمالاتِ نبوی علیہ ﷺ کے متعلق گستاخی کر کے مسلمانوں کے جسم پر جو زخم لگائے ہیں وہ صدیوں تک نہیں بھریں گے، اور شاید ہمیشہ ہرے ہی رہیں گے۔''

فاضل بریلوی کی تالیفاتی جدوجہد، خط و کتابت کا لا طائل سلسلہ اور پھر وعظ و نصیحت کی شبانہ روز کوششیں ان لوگوں کو اپنے کلمات فاسدہ سے رجوع کرنے کے لیے تیار نہ کر سکیں۔

آیئے ہم اس استغاثہ (فریاد خوں چکاں) ''الاستمداد'' کو لے کر بارگاہِ رسالت میں ہاتھ اٹھائیں اور اشکبار آنکھوں سے جھولیاں پھیلا کر ان کے لیے اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنے کی توفیق طلب کریں ——— وما توفیقی الا باللہ۔[1]

●

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے عشق رسول علیہ التحیۃ والتسلیم سے فیض پایا ——— بے شک عشق فیض رساں ہے، ذرے کو مہتاب بناتا ہے اور مہتاب کو آفتاب بناتا ہے ——— وہ علم و عشق کے آفتاب تھے، ان کی روشنی نے

- ——— دلوں کو روشن کر دیا،
- ——— دماغوں کو جلا بخشی،
- ——— انسانوں کو انسان بنایا۔

شاعری وہی ہے، ادب وہی ہے جو انسانوں کو انسان بنائے۔ جس نے انسانوں کو حیوان بنایا، اس نے شعر و ادب کو رسوا کیا ——— امام احمد رضا نے داغ مجاز مٹا کر اردو شاعری پر نقش حقیقت جمایا۔ شعر و ادب کی لاج رکھ لی اور اس کو بلندیاں عطا کیں۔[2]

یہ سب کو معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عاشق رسول تھے، اس میں کسی کو شک نہیں ——— تو جو عاشق رسول ہے

۱۔ تقدیم ''الاستمداد'' مطبوعہ فیصل آباد، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

۲۔ تقدیم ''نعت گوئی میں امام احمد رضا کا مقام'' مطبوعہ کراچی ۲۰۰۱ء

وہ نہ مشرک ہوسکتا ہے اور نہ شرک و بدعت کی تعلیم دے سکتا ہے ـــــ ہاں ابلیس کا عاشق یہ کام ضرور کر سکتا ہے ـــــ اصل میں اختلاف ہے تو اظہار عشق میں ـــــ ایک عالم نے ان سے عرض کیا کہ:

''آپ نبی کریم ﷺ کو حد سے بڑھا دیتے ہیں۔''

امام احمد رضا نے بڑی خاموشی سے ان کے سامنے کاغذ قلم رکھتے ہوئے فرمایا:

''آپ حد مقرر کر دیجئے۔''

وہ عالم امام احمد رضا کا منہ تکتے رہ گئے ـــــ کس کی مجال ہے کہ حد مقرر کرے، جبکہ ان کا مولیٰ:

- ـــــ خود ان پر رحمت بھیج رہا ہے۔
- ـــــ ہم کو توقیر و تعظیم اور درود و سلام کا حکم دے رہا ہے۔
- ـــــ اور سورۂ توبہ میں محبت و عشق کا وہ معیار بتا رہا ہے، جس میں من و تو کا فرق ہی نہ رکھا، ہاں مولیٰ تعالیٰ کے سوا کوئی حد مقرر نہیں کر سکتا، مگر وہ تو بے حد و حد و درود و سلام بھیجنے کا حکم فرما رہا ہے۔ بات یہ ہے جس نے عشق ہی نہ کیا ہو، اسکو عشق عجیب سا لگتا ہے ـــــ عاشق کی ایک ایک بات عجیب سی لگتی ہے، شرک و بدعت سی لگتی ہے ـــــ یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے، یہ اس کی عقل کا فتور ہے ـــــ ایسے انسان کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ پتھر کبھی ریزہ ریزہ بھی ہو جاتا ہے۔ کبھی اس میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہوتا ـــــ ایک صاحب نے سوال کیا:

''لوگ روتے کیوں ہیں؟

اللہ اکبر! ان کی آنکھوں میں آنسو اتنے خشک ہو گئے ہیں کہ ان کو رونے پر تعجب ہو رہا ہے، ہاں!

ع
عاشق نہ شُدی، ومحنت والفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید

ان کے حضور ادب و تعظیم کی بات الگ رہی، اگر عبادات پر نظر ڈالیں تو ایک ایک ادا میں ان کے جلوے جھلکتے نظر آئیں گے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی نشانیوں کو اپنی نشانیاں بنا دیا ـــــ اللہ اکبر! کیا آپ نے کبھی اس حقیقت پر غور فرمایا:

- ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم کو بیت اللہ میں رکھوایا گیا، یہی نہیں بلکہ یہ حکم دیا گیا کہ جب سات پھیرے مکمل کر لو تو اس کے سامنے دوگانہ ادا کرو اور سر بسجود ہو ـــــ بے شک اگر یہ بات قرآن میں نہ ہوتی تو کھلا شرک قرار دی جاتی۔
- ـــــ پھر صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام دوڑی تھیں اور چلی تھیں، فرمایا: ''صفا و مروہ ہاجرہ (علیہا السلام) کی نشانی نہیں یہ تو ہماری نشانیاں ہیں، اس کا بھی چکر لگایا کرو۔'' سارا عالم چکر لگاتا ہے اور ہر چکر میں ایک نظر دیوار کعبہ کو دیکھتا ہے جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کی تھی، اور تعمیر کرتے کرتے سرکار دو عالم ﷺ کی آمد آمد کے لیے دعا کی تھی ـــــ یہ سب انہیں کے جلوے ہیں ـــــ یہ سب انہیں کی رونقیں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کون تھے؟ ـــــ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کون تھیں؟ ـــــ یہ سب نور محمدی ﷺ کے امین تھے ـــــ تو پھر سب ان کی رونقیں نہیں تو کس کی رونقیں ہیں۔ بے شک،

ع زمیں و زماں تمہارے لیے، چنین و چناں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

یہ داستان عشق تو اتنی لذیذ ہے کہ عمر ختم ہو جائے مگر بیان عشق و محبت ختم نہ ہو ـــــ امام احمد رضا عاشق رحمۃ للعالمین اور محبوب رب العالمین تھے ـــــ ان کا آغاز و انجام دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہوا۔ ان کے عشقِ نبوی (ﷺ) کا یہ عالم تھا کہ رو ئیں رو ئیں سے یہ صدا بلند ہو رہی تھی:

ع کاش ہر موئے من زبان بودے

در ثنائے تو یا رسول اللہ

۱۹۹۱ء میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، مواجہہ شریف میں کچھ غلام ہاتھ باندھے امام احمد رضا کا سلام:

ع مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

عرض کر رہے تھے۔ خود راقم نے بھی امام احمد رضا کا درود:

ع کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود

اور سلام:

ع مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

پیش کیا، کیا عرض کروں کہ کیا لطف و سُرور آیا۔ زبان و قلم دونوں عاجز ہیں۔ مدینہ منورہ میں تین محافل نعت میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہر محفل میں امام احمد رضا کا سلام پڑھا گیا ——— اللہ اللہ! کیا مقبولیت و محبوبیت ہے کہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی فضائیں بھی امام احمد رضا کے سلام سے گونج رہی ہیں۔ تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھی پڑھنے والے یہ سلام پڑھ رہے ہیں، آنسو بہا رہے ہیں، دل بچھا رہے ہیں ——— اللہ اللہ! وہ تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کتنے مقبول ہیں ——— کوئی ان سے محبت کر کے تو دیکھے،

- ——— وہ اپنے عاشقوں سے کتنا پیار کرتے ہیں۔
- ——— وہ اپنے جان نثاروں کو کتنا چاہتے ہیں،
- ——— وہ جب دینے پر آتے ہیں تو دیتے چلے جاتے ہیں۔

ع مرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیئے ہیں، دُر بے بہا دیئے ہیں

- ——— اے کاش ہم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا سیکھ جائیں،
- ——— اے کاش ہم عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا سلیقہ سیکھ جائیں،

● ——اے کاش ہم عقل کی بھول بھلیوں سے باہر نکلنا سیکھ جائیں،
● ——اے کاش ہم خود کو کھونا اور ان کو پانا سیکھ جائیں،

ع آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی [1]

ایک نامناسب رحجان:

۲۰ رجنوری ۱۹۹۳ء کو ایک عظیم اجتماع میں پیر جو گوٹھ (سندھ) جانا ہوا۔ وہاں ایک نابینا فاضل نے بتایا کہ مکہ معظمہ میں جامعہ ازہر[2] کے ایک طالب علم نے بتایا کہ شیخ الجامعہ کو بعض فتنہ پرداز یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا ایک ایسے شخص کا نام ہے جو مسلمانوں کو حج سے روکتا تھا——انا للہ و انا الیہ راجعون۔

علمائے اہل سنت میں ایک نیا رحجان جنم لے رہا ہے نہ جانے کیوں؟——وہ رحجان یہ ہے کہ امام احمد رضا کی ہر بات کو حرف آخر نہ سمجھا جائے، تنقید کی چھوٹ دی جائے——بے شک دی جانی چاہیے مگر:

● ——امام احمد رضا سے کوئی بلند تو ہو،
● ——بلند نہ سہی برابر تو ہو،
● ——برابر نہ سہی اس قابل تو ہو کہ ان کی بات سمجھ سکے، اور ان کے فیصلے کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈال سکے۔

ان کی شان تو یہ تھی:

● ——علمائے عرب و عجم ان کے در پر سوالی بن کر آئے،
● ——علماء کی کثیر جماعت نے ان کے سامنے اپنے اپنے استفتاء پیش کیے اور سیر حاصل جواب پا کر شاد ہوئے۔

---

[1] تقدیم "البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

[2] الحمد للہ اب اسی جامعہ ازہر کے اساتذہ اور طلباء امام احمد رضا پر تحقیق کر رہے ہیں اور کتابیں شائع کر رہے ہیں۔

ہم میں کون ایسا ہے؟

امام احمد رضا کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ''فتاویٰ رضویہ'' کی صورت میں علماء اہل سنت کے لیے علم و دانش کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم فرمایا۔ ہم نے اب تک اسی کو نہیں پڑھا، پھر غیر ضروری مسائل پر غیر ضروری مباحث کی ضرورت ——— امام احمد رضا کے زمانے میں ان سے بڑا نہ سہی مگر ایک سے ایک بڑا عالم تھا ——— علمائے اہل سنت کی اکثریت امام احمد رضا کی بات کو حرف آخر سمجھتی تھی اور اب بھی سمجھتی ہے ——— امام احمد رضا کو ہدف تنقید بنانا، ان کی علمیت اور مجددیت کو موضوع سخن بنانا، رہے سہے فکری اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے ——— یہ بڑی غیر دانش مندانہ بات ہوگی ——— اس رجحان سے جتنا بچا جائے، اتنا ہی ہمارے لیے مفید ہوگا۔ اس رجحان کے محرکات،

- ——— علاقائی اور خانقاہی عصبیت بھی ہوسکتی ہے،
- ——— خودنمائی اور خود پسندی کا جذبہ بھی ہوسکتا ہے۔

امام احمد رضا اتنے عظیم ہیں، ان سے اختلاف کرنے والا نیک نام نہیں، بدنام ہوگا ——— دنیا و آخرت کا فائدہ اسی میں ہے کہ:

- ——— ہم اپنے اکابر کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں، اور
- ——— امام احمد رضا کی فکر و دانش سے بھرپور استفادہ کرکے دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین [1]

[1] تقدیم ''تذکرہ جمیل'' مطبوعہ بریلی شریف ۱۹۹۱ء

باب نمبر ۴

تحقیقات و فتوحات

تحقیق میں پیش رفت:

نصف صدی گزر گئی ——— اچانک خزاں رسیدہ گلشن میں پھر بہار آئی، ٹہنیاں جھولنے لگیں، پھول کھلنے لگے، بلبل چہکنے لگے ——— اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے شہر لاہور کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ آج سے تقریباً چوبیس سال پہلے یہاں پر مرکزی مجلس رضا کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا ——— خلوص وللٰہیت سے قائم کیے گئے اس ادارے سے ہر سطح پر مخلصین نے تعاون کیا، اور اس ادارے نے امام احمد رضا کے حالات وافکار پر لاکھوں کی تعداد میں لٹریچر چھاپ کر بھجوایا، نہ صرف پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں ——— پھر گیارہ برس ہوئے کراچی میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا قائم ہوا۔ اور اس نے اپنا لٹریچر پاک و ہند اور دنیا کے دور دراز کے علاقوں میں پھیلایا ——— پھر رضا اکیڈمی، لاہور نے چھ سات برس ہوئے بڑی سرعت سے کام کیا اور اہل دانش سے خراج تحسین وصول کیا ——— اب مرکزی مجلس رضا نے بھی طویل خاموشی کے بعد پھر کام شروع کیا ہے۔

- ——— رضا اکیڈمی، یو۔ کے
- ——— رضا اکیڈمی، بمبئی
- ——— سنی رضوی سوسائٹی، جنوبی افریقہ
- ——— رضا فاؤنڈیشن، لاہور
- ——— المجمع الاسلامی، مبارکپور (انڈیا)

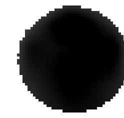
غرض پاک و ہند اور بیرون ملک بیسیوں ادارے ہیں جو امام احمد رضا کے حالات و افکار پر مسلسل لٹریچر شائع کر رہے ہیں۔

الحمد للہ، ان اداروں کی علمی مساعی کے نتائج سامنے آئے، محققین کی بات سنی گئی:

- ——— یونیورسٹیوں اور پبلک سروس کمیشن کے امتحانی پرچوں میں امام احمد رضا پر سوالات آنے لگے،

● —— جامعات میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے لیے تحقیقی مقالات لکھے جانے لگے، اور ڈگریاں ملنے لگیں۔

چنانچہ اس وقت چار براعظموں کی یونیورسٹیوں میں چھ اسکالر تحقیقی مقالات لکھ کر ایم۔فل یا پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں —— سولہ اسکالر اس وقت تحقیق میں مصروف ہیں اور کچھ رجسٹریشن کے لیے کوشاں ہیں۔[1]



تاریخ وادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم انسان کو نظر انداز کیا گیا —— ارباب علم و دانش حیران ہیں —— یکم دسمبر ۱۹۹۲ء کو بریلی جانا ہوا۔ وہاں ایک ملاقات میں ڈاکٹر وسیم بریلوی (صدر شعبہ اردو روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی) نے باتوں باتوں میں فرمایا:

''اردو ادب کی کتابوں میں امام احمد رضا کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟''

ڈاکٹر وسیم سراپا سوال بن گئے۔

گزشتہ بیس برسوں میں امام احمد رضا سے متعلق جو حقائق سامنے آئے ہیں انہوں نے ہر منصف مزاج ادیب و شاعر اور دانشور کو سوالیہ نشان بنا دیا ہے —— اس کی نظر میں بہت سی محترم ہستیاں مجرم نظر آنے لگی ہیں —— ماضی کی مجرمانہ غفلتوں کا یہ ردعمل ہوا کہ:

● —— جنہوں نے امام احمد رضا کو دیکھا نہ تھا —— یا،

● —— جن کو اتنا بدگمان کر دیا تھا کہ وہ دیکھنا نہ چاہتے تھے،

وہ اب امام احمد رضا پر خود تحقیق کر رہے ہیں، اور دوسرے محققین کی نگرانی کر رہے ہیں —— پروفیسر ڈاکٹر وسیم بریلوی صاحب نے بھی امام احمد رضا پر کام کا بیڑا اٹھایا —— وہ اس وقت مندرجہ ذیل موضوعات پر چار اسکالروں کی مقالۂ ڈاکٹریٹ کے لیے نگرانی کر رہے ہیں:

[1] تقدیم ''البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

- ـــــ مولانا عبدالنعیم عزیزی ـــــ ''امام احمد رضا کی شاعری''
- ـــــ مختار احمد ـــــــــ ''امام احمد رضا کی نثر نگاری''
- ـــــ نکہت فاطمہ ــــــــــ ''حسن رضا خاں کے حالات اور ادبی خدمات''
- ـــــ مجیب رضا ــــــــــ ''مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں کے حالات وعلمی خدمات''

اور یہ اسی کا ردعمل ہے کہ بریلی کالج کے شعبۂ عربی کے انچارج پروفیسر محمود حسین بریلوی نے ''امام احمد رضا کے عربی آثار'' پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔فل کیا اور پروفیسر ڈاکٹر عبدالہادی ندوی نے موصوف کی نگرانی فرما کر عدل گستری اور وسعت قلبی کی روشن مثال قائم کی۔

پروفیسر محمود حسین بریلوی نے عربی کے ڈپلوما کورس میں تحقیق کے لیے نصابی شخصیات میں امام احمد رضا کا نام بھی شامل کروادیا ہے ـــــ یہ ایک اہم کام ہے۔

ایک وقت آتا ہے کہ چھپانے والے خود چھپتے پھرتے ہیں ـــــ لیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ کے مشہور محقق پروفیسر جے۔ایم۔ایس بلیان، علوم اسلامیہ کے بین الاقوامی اسکالر ہونے کے باوجود امام احمد رضا سے قطعاً واقف نہ تھے ـــــ پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر تک وہ بے خبر رہے۔آج سے دس سال قبل جب باخبر کیا گیا تو حیران رہ گئے ـــــ اور اپنی بے خبری پر نادم وشرمسار ـــــ وہ حیران تھے کہ وہ بار بار پاک وہند کے دانشوروں اور محققین وفضلاء سے ملے مگر کسی نے ذکر تک نہیں کیا، کتابوں میں ذکر تو بہت دور کی بات ہے ـــــ ابتداء میں ان کو یقین نہیں آیا۔پھر جب خود مطالعہ کیا تو ان کی حیرانگی بڑھتی گئی ـــــ اب جب بین الاقوامی کانفرنسوں میں اسلامی موضوعات پر مقالات پڑھتے ہیں تو اس میں امام احمد رضا کا ذکر ضرور کرتے ہیں، ان میں امام احمد رضا کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب دانش گاہوں میں امام احمد رضا کا ذکر معیوب سمجھا جاتا تھا، مگر اب ہر دانشگاہ میں امام احمد رضا پر اعتماد سے گفتگو کی جاسکتی ہے، اور سننے والے سنتے ہیں ـــــ خود

راقم نے ۲۸ر نومبر ۱۹۹۲ئ کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کینڈی ہال میں خطاب کیا، امام احمد رضا پر کھل کر گفتگو کی۔ اساتذہ وطلباء نے یہ گفتگو توجہ سے سنی۔ بلکہ اجلاس ختم ہونے کے بعد جس والہانہ انداز سے انہوں نے معانقہ ومصافحہ کیا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سچی باتیں سننے کے لیے بے چین تھے ——— اسی طرح بریلی جانا ہوا تو وہاں ڈاکٹر وسیم صاحب کے اصرار پر بریلی کالج کے شعبہ اردو میں ۲ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو طلباء سے خطاب کیا۔ اور امام احمد رضا کے بارے میں بعض حقائق بتائے۔ سب نے راقم کی باتیں اس توجہ اور ذوق سے سنیں گویا ان کو اپنے ہی گھر میں ایک خزانہ مل رہا ہو۔

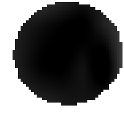
جامعہ ملیہ، دہلی کے استاد ایس۔ ایم خالد الحامدی (شعبۂ عربی) ''علم حدیث میں علمائے پاک وہند کی خدمات'' پر تحقیق کر رہے ہیں۔ موصوف راقم کے نام اپنے ایک خط محررہ ۲۰ر فروری ۱۹۹۲ء میں لکھتے ہیں:

''گزشتہ سال کے آخری چار مہینے ——— میں میں اپنے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں اہم علمی مراکز، مدارس اور کتب خانوں کے دوروں پر رہا۔ الحمد للہ کافی مواد میسر آیا ——— بریلی گیا تھا، وہاں کے حضرات نے اس سلسلے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا تھا ——— اور جب میں نے انہیں بتایا کہ اعلیٰ حضرت کی علم حدیث پر تالیفی خدمات کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے تو وہ دنگ رہ گئے۔''

غالباً علم حدیث میں اسی مہارت کی وجہ سے بعض علماء عرب وعجم نے امام احمد رضا کو ''امام المحدثین'' تسلیم کیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر اقبال احمد انصاری ندوی (سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ''نزہۃ الخواطر'' (محررہ مولوی ابو الحسن علی ندوی) پر نظر ثانی فرما رہے ہیں ——— جب راقم نے ایک ملاقات میں ایسی غلطوں کی طرف متوجہ کیا تو انہوں نے بڑی وسعت قلبی سے فرمایا:

''اغلاط کی نشان دہی کردی جائے، اصلاح کردی جائے گی۔''[1]



آج سے اسی سال قبل عالم اسلام کی مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں حتی کہ حرمین شریفین سے امام احمد رضا کی مدح وثنا میں آوازیں بلند ہوئیں۔ پھر نہ معلوم کیوں سُنی ان سُنی کر دی گئیں ـــــ لیکن کسی کے مٹانے سے کوئی نہیں مٹتا، جب تک وہ مٹانے والا مٹانا نہ چاہے۔ اسی کریم نے نہ چاہا کہ امام احمد رضا کا نام مٹا دیا جائے۔ اس کے فضل وکرم سے وہ دور آیا جس دور کو امام احمد رضا کے تعارف وتعلیمات کی نشاۃ ثانیہ کا دور کہا جا سکتا ہے ـــــ اس دور میں:

- ـــــ جامعات وکلیات کے استادوں اور دانشوروں،
- ـــــ ادارہ ہائے تحقیقاتِ علمیہ کے محققوں اور اسکالروں،
- ـــــ عدالت ہائے عالیہ کے ججوں اور وکیلوں،
- ـــــ مملکت کے گورنروں اور وزیروں،
- ـــــ عساکر اسلامیہ کے کمانڈروں اور سپہ سالاروں، اور
- ـــــ میدانِ صحافت وسیاست کے صحافیوں اور سیاست دانوں،

نے یک زبان ہو کر امام احمد رضا کے علمی کمالات اور عبقریت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور ہر طرف سے تحسین وآفرین کی آوازیں بلند ہونے لگیں ـــــ آیئے آپ بھی یہ آوازیں سنیں اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ دور جدید کی اندھیریوں میں اس نے اپنے کرم سے اجالے کی طرف رہنمائی فرمائی ـــــ ہاں:

ع اے رضا، جانِ عنادل، ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ، ترا کہنا کیا ہے [2]

---

[1] ۔تقدیم ''محدث بریلوی'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

[2] ۔حرف آغاز ''گویا دبستان کھل گیا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

●

اس وقت دنیا میں بہت سے ادارے امام احمد رضا پر کام کر رہے ہیں، اور بہت سی شخصیات امام احمد رضا سے متعلق مختلف موضوعات پر کام کر رہی ہیں۔ یہ تفصیلات خود ایک تحقیقی مقالے کی مقتضی ہیں ــــــ عالمی جامعات میں جو کام ہوا ہے، اس کی کچھ تفصیلات راقم نے اپنے مقالے:

''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' ــــــ مطبوعہ صادق آباد ۱۹۹۱ء

میں دی ہیں، لیکن اب تحقیق کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے ــــــ بیس سال قبل دنیا کی یونیورسٹیوں کے ارباب بسط وکشاد سے اپیل کی تھی کہ:

''وہ امام احمد رضا کی شخصیت وفکر کی طرف متوجہ ہوں۔ فضلاء کو تحقیق کی اجازت دیں۔''

شکر ہے کہ یہ آواز صدا بصحرا نہ ہوئی بلکہ نقش کالحجر ہو گئی ــــــ کام کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پھیلتا چلا گیا ــــــ نئی نئی جہتوں سے کام ہو رہا ہے ــــــ اس وقت براعظم ایشیا، براعظم امریکہ، براعظم افریقہ، اور براعظم یورپ کی تقریباً بیس یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں امام احمد رضا پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی ان سے علمی تعاون کر رہا ہے۔[۱]

امام احمد رضا کی سوانح پر متعدد حضرات نے قلم اٹھایا ہے۔ ہر ایک سوانح نگار نے اپنے اپنے ذوق اور رسائی کے مطابق اردو، عربی، انگریزی، گجراتی، بنگالی، سندھی وغیرہ میں سوانح اور مقالات لکھے ہیں۔[۲]

●

امام احمد رضا کے وصال کو نصف صدی گزر جانے کے بعد پاک وہند میں ان پر تحقیقی کام شروع ہوا جو گزشتہ تین عشروں میں اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ حقیقت یہ

۱۔ تقدیم ''محدث بریلوی'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

۲۔ تقدیم ''ذکر رضا'' مطبوعہ خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ ۱۹۷۸ء

ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ ہر کام کا ایک وقت ہے، امام احمد رضا پر کام کا یہی وقت تھا —— اس وقت عالمی سطح پر مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے:

- —— برکلے یونیورسٹی، کولمبیا یونیورسٹی —— امریکہ
- —— نیو کاسل یونیورسٹی، لندن یونیورسٹی —— برطانیہ
- —— لیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ
- —— کراچی یونیورسٹی، کراچی —— سندھ یونیورسٹی، جامشورو
- —— علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- —— پٹنہ یونیورسٹی، بھارت [1]

- —— پٹنہ یونیورسٹی، بھارت سے امام احمد رضا کی فقاہت پر ڈاکٹر حسن رضا خاں نے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔
- —— جبل پور یونیورسٹی، بھارت سے ایک فاضل نعتیہ شاعری پر ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں۔
- —— سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد میں ایک فاضلہ امام احمد رضا کی شخصیت اور افکار پہ ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں۔
- —— علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (شعبہ علوم اساسی) اسلام آباد کے ڈاکٹر صادق ضیاء صاحب ریاضی میں امام احمد رضا کی نگارشات پر تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔[2]

اس وقت امام احمد رضا پر دنیا کی بیس سے زیادہ یونیورسٹیوں میں کام ہو رہا ہے اور کچھ یونیورسٹیوں میں ہو چکا ہے —— امام احمد رضا کی اردو اور عربی شاعری پر ان یونیورسٹیوں میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی سطح پر کام ہو چکا ہے:

- —— مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

---

[1] تقدیم "تذکرہ مشائخ رضویہ" مطبوعہ بنارس ۱۹۸۹ء

[2] تقدیم "حیات امام اہل سنت" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء

● ــــــ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد، دکن

● ــــــ روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی شریف

● ــــــ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اور ان یونیورسٹیوں میں اردو اور عربی ادب، شاعری پر کام ہو رہا ہے:

● ــــــ برمنگھم یونیورسٹی، برمنگھم، برطانیہ

● ــــــ کلکتہ یونیورسٹی، کلکتہ، بھارت

● ــــــ میسور یونیورسٹی، میسور، بھارت

● ــــــ ازہر یونیورسٹی، قاہرہ (مصر)

● ــــــ بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد

● ــــــ پنجاب یونیورسٹی، لاہور پاکستان [۱، ۲]

● ــــــ جامعہ ملیہ یونیورسٹی، دہلی کے استاد ایس۔ ایم۔ خالد الحامدی اپنے مقالۂ ڈاکٹریٹ میں ''پاک و ہند، کے علماء کی علم حدیث میں خدمات'' کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس میں انہوں نے ایک باب محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے لیے مختص کیا ہے، جس میں علم حدیث پر چالیس سے زیادہ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

● ــــــ مولانا منظور احمد صاحب (امام مسجد رحمانیہ، کراچی) محدث بریلوی علیہ الرحمہ پر علم حدیث کے حوالے سے کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے والے ہیں۔ [۳]

امام احمد رضا کی شاعری پر گزشتہ بیس برسوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے:

● ــــــ علامہ شمس بریلوی نے کلام رضا میں معانی و بیان اور صنائع و بدائع کو تلاش کیا،

● ــــــ علامہ نصر اللہ خاں صاحب نے کلام رضا میں آیات و احادیث کے جلوے دکھائے۔

۱۔ تقدیم ''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری'' مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۹۴ء

۲۔ تقدیم ''شرح حدائق بخشش'' جلد اول، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

۳۔ تقدیم ''مالک و مختار نبی'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء

- ــــــ پروفیسر بشیر احمد قادری نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں کلام رضا پر ضخیم مقالہ قلمبند کیا
- ــــــ پروفیسر عبدالسمیع صاحب امام احمد رضا کی عربی شاعری پر عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم۔اے کررہے ہیں۔
- ــــــ پروفیسر محمد اسحاق قریشی نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے اپنے مقالۂ ڈاکٹریٹ میں امام احمد رضا کی عربی شاعری کا ذکر کیا ہے۔
- ــــــ پروفیسر شاہد اختر کلکتہ یونیورسٹی سے کلام رضا پر ڈاکٹریٹ کررہے ہیں۔
- ــــــ مولانا عبدالنعیم عزیزی کلام رضا کے نئے نئے تنقیدی زاویئے تلاش کرکے قارئین کو حیران کررہے ہیں۔

شاعر لکھنوی، احسان دانش، اختر الحامدی، الٰہی بخش اعوان، وارث جمال وغیرہ نے کلام رضا پر مستقل مقالے لکھے ہیں۔ اور مضامین لکھنے والوں کا تو کوئی شمار نہیں ــــــ اس میں شک نہیں کہ کلام رضا اس قابل ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ کی جائے۔[۱]

جو نہ جانتے تھے یہ غلط فہمی کا شکار تھے، جب انہوں نے جانا پہچانا تو کھلے دل سے مانا ــــــ ایسے دانشوروں میں یہ حضرات بھی شامل ہیں:

- ــــــ ڈاکٹر محی الدین الوائی ــــــ الازہر یونیورسٹی، قاہرہ
- ــــــ ڈاکٹر جے۔ایم۔ایس بلیان ــــــ لیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ
- ــــــ ڈاکٹر اوشا سانیال ــــــ کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ
- ــــــ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ــــــ پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- ــــــ ڈاکٹر عبدالہادی ندوی ــــــ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
- ــــــ پروفیسر خالد الحامدی ــــــ جامعہ ملیہ یونیورسٹی، دہلی
- ــــــ پروفیسر وسیم بریلوی ــــــ روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی[۲]

۱۔ تقدیم ''ثنائے مصطفےٰ بہ انداز عبد مصطفےٰ'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء

۲۔ تقدیم ''بات میری نہیں، بات ہے زمانے کی'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء

- ــــــ علامہ شبیر احمد غوری ــــــ علی گڑھ، بھارت
- ــــــ مولانا محمد احمد مصباحی ــــــ مبارکپور، بھارت
- ــــــ خواجہ نظفر حسین ــــــ بھارت
- ــــــ پروفیسر ابرار حسین ــــــ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد[1]

ڈاکٹر محمد ہارون نے اس نقطۂ نظر سے ایک فکر خیز مقالہ لکھا ہے جس کا اردو ترجمہ عنقریب ادارہ مسعودیہ، کراچی شائع کر رہا ہے۔

- ــــــ امام احمد رضا محدث بریلوی پر پاک و ہند اور امریکہ وغیرہ میں اب تک پانچ فضلاء ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں لے چکے ہیں ــــــ مزید فضلاء ڈاکٹریٹ کے لیے پاک و ہند اور مصر میں کام کر رہے ہیں۔
- ــــــ ایم۔ اے اور ایم فل کے لیے لکھے جانے والے مقالات تو بہت ہیں۔

بہر حال امام احمد رضا محدث بریلوی کی علمی شخصیت نے تنگ دلوں کے دل کو روشن کیا اور تنگ نظروں کی نظر کو نور بخشا، بلاشبہ آپ کی شخصیت:

- ــــــ ناقابلِ فراموش ہے،
- ــــــ اللہ کی عظیم نعمت ہے،
- ــــــ اللہ کا عظیم احسان ہے۔[2]

●

مندرجہ ذیل محققین اب تک محدث بریلوی کے مختلف پہلوؤں پر مختلف جامعات سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں:

- ــــــ ڈاکٹر حسن رضا خاں ــــــ پٹنہ یونیورسٹی، بھارت
- ــــــ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عبدالباری صدیقی ــــــ سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد

۱۔ تقدیم "قرآن سائنس اور امام احمد رضا" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

۲۔ تقدیم "مولانا احمد رضا خاں بریلوی" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

● ــــ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ــــــــ کراچی یونیورسٹی، کراچی

● ــــ ڈاکٹر اوشا سانیال ــــــــ کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ

● ــــ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ــــــــ روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی

● ــــ ڈاکٹر سراج احمد بستوی ــــــــ کانپور یونیورسٹی، کانپور

الازہر یونیورسٹی، قاہرہ مصر میں بھی کام ہوا ہے۔ازہر یونیورسٹی کے استاد سید حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ نے محدث بریلوی کے عربی کلام کو بعنوان "**بساتین الغفران**" مرتب کیا، جو ۱۹۹۷ء میں لاہور اور کراچی سے شائع ہوا ــــ موصوف ہی نے اس عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا:

"الامام الاکبر المجدد محمد احمد رضا خاں والعالم العربی"

یہ مقالہ ۱۹۹۸ء میں لاہور اور کراچی سے شائع ہو گیا ہے ــــ مولوی مشتاق احمد (ریسرچ سکالر ازہر یونیورسٹی) نے محدث بریلوی پر ایم فل کیا ہے۔

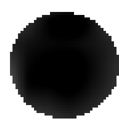
مولانا ممتاز احمد سدیدی اسی یونیورسٹی سے محدث بریلوی پر تحقیق میں مصروف ہیں ــــ مصر میں جمعیۃ اصدقاء الامام احمد رضا بھی قائم ہو رہی ہے[1]

● ــــ مولانا مشتاق احمد شاہ کے مقالہ کا عنوان تھا:

الامام احمد رضا و اثرہ فی الفقہ الحنفی

● ــــ مولانا ممتاز احمد سدیدی کے ایم فل کے مقالے کا عنوان تھا:

الشیخ احمد رضا خاں البریلوی الھندی شاعراً عربیاً [2،3]



یہ ایک طویل نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔الحمد للہ جزیرہ عرب میں امام احمد رضا کا اثر

۱۔ تقدیم "حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء (جدید ایڈیشن)

۲۔ تقدیم "امام احمد رضا اور عالم اسلام" طبع دوم، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۰ء

۳۔ اس ضخیم مقالے کو ادارہ مؤسسۃ الشرف، لاہور نے ۲۰۰۳ء میں شائع کر دیا ہے ــــ طاہر

تھا، اب پھر عود کرتا جارہا ہے —— دلوں میں محبت پوشیدہ ہے۔ جہاں پابندیاں ہیں، وہاں بھی محبت کی مہک آرہی ہے —— ۱۹۵۹ء میں بنگلہ دیش سے کچھ علماء گئے۔ جب امام احمد رضا کی نسبت سے انہوں نے تعارف کرایا تو مفتی سعد اللہ مکی پھڑک گئے —— سید محمد علوی مالکی نے خوب پذیرائی کی —— ۱۹۹۳ء میں راقم مدینہ منورہ حاضر ہوا تو وہاں بعض حلقوں میں اس نسبت سے پذیرائی کی گئی، وہ ناقابل بیان ہے۔ امام احمد رضا کی شخصیت کی تاثیر نے تو عیسائی غیر مسلموں کو بھی گرویدہ بنالیا —— ڈاکٹر احمد یوسف انڈریوز کے مقالے کو دیکھ کر اس تاثر کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو حضرات امام احمد رضا سے اختلافات رکھتے ہیں ان کو بھی سنجیدگی سے امام احمد رضا کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ مطالعہ ہی غیر محبوب کو محبوب بنادیتا ہے اور سچ کو جھوٹ سے الگ کردیتا ہے۔[۱]

امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر کام آگے بڑھ رہا ہے۔ نومبر ۲۰۰۰ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، اسلام آباد کے زیر اہتمام امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں محی الدین غزنوی اسلامی یونیورسٹی (تراڑ خیل، آزاد کشمیر) کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اعلان کیا کہ:

''یونیورسٹی میں امام احمد رضا چیئر قائم کی جارہی ہے۔''

—— اعزازی طور پر چیئر مین شپ کے لیے فقیر سے کہا گیا ہے —— فقیر نے تو پہلے ہی شب و روز امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے لیے وقف کر رکھے ہیں۔

الغرض امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ پر کام ہوتا رہے گا، ان کے علم و فن کے مختلف گوشے سامنے آتے رہیں گے۔ اہل علم و دانش حیران ہوتے رہیں گے —— اندھیریاں چھٹتی رہیں گی، روشنیاں پھیلتی رہیں گی۔

۱۔ تقدیم ''امام احمد رضا اور عالم اسلام''، طبع دوم، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۰ء

ع تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ

تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی [1]

تعصّب و تنگ دلی:

مخالفین نے تحریر و تقریر کے ذریعہ فاضل بریلوی کی شخصیت کو ایسا مسخ کر کے پیش کیا کہ سنجیدہ انسان اس طرح رخ کرتے جھجکنے لگا ـــــ یہی وجہ ہے کہ نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی کسی محقق نے اس طرف توجہ نہیں کی، اور کوئی ایسا کام نہیں ہو سکا جو علمی دنیا میں پیش کیا جا سکے۔ ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) میں فاضل بریلوی کا ذکر تک نہیں۔ حالانکہ ان کا ذکر کیا جانا چاہیے تھا اور دائرۃ المعارف کے ارباب حل و عقد کسی فاضل کو اس طرف متوجہ کر کے یہ اہم کام انجام دیتے [2] مگر نہیں،

ع آن چہ ما کردیم برخود ہیچ نابینا نہ کرد

ہماری سوانح نگاری اور تاریخ نگاری تعصب و تنگدلی کی نذر ہوگئی۔ جس نے لکھا اپنے مخالف کے سارے کارناموں کو سیاہ کر دکھایا یا پانی ہی پھیر دیا ـــــ بہت کم ایسے ہیں جنہوں نے مخالف کے بارے میں عدل و انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کسی بھی اہم شخصیت کو نظر انداز کر دینا تاریخی دیانت کے منافی ہے اور پھر ایسی شخصیت:

- ـــــ جس کی نظر دوسری شخصیتوں پر قاہرانہ ہے،
- ـــــ بڑی سے بڑی شخصیت جس کو مرعوب نہیں کر سکتی،
- ـــــ وہ اپنے آقا و مولیٰ محمد رسول ﷺ کی عزت و ناموس کے آگے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا

ضروری ہے کہ:

- ـــــ ایسی شخصیت کو پرکھیں،

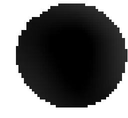
۱۔ تقدیم ''جامع الاحادیث'' مطبوعہ گجرات، بھارت ۲۰۰۱ء (مرتبہ علامہ محمد حنیف رضوی)

۲۔ الحمد للہ احقر کا تحقیقی مقالہ بعنوان ''رضا بریلوی'' انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد نمبر ۱۰، جزو نمبر ۵ میں شائع ہو چکا ہے ـــــ اور دوسرا تحقیقی مقالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ہالینڈ میں اشاعت کے لیے فرانس بھیجا جا چکا ہے ـــــ مسعود

● ـــــ اس کے دل کی گہرائیوں میں اتریں،

● ـــــ اس کے خلوص و محبت کا اندازہ لگائیں،

● ـــــ جو کچھ کہے اس کو بغور سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔



● ـــــ بعض حضرات نے عادل و منصب بن کر بریلوی اور دیوبندی مکاتیب فکر کا تاریخی جائزہ لینے کی سعی فرمائی ہے۔ مگر یہ حضرات جانب دیگر کچھ جھکے جھکے سے معلوم ہوتے ہیں، اور بعض مقامات پر تو کچھ پھٹ پڑنے والی کیفیت بھی محسوس ہوتی ہے، مثلاً:

فیروز الدین روحی کی کتاب ''آئینہ صداقت'' مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

● ـــــ بعض حضرات نے علماء پاک و ہند کی سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے، مگر ان کو فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ میں سے کوئی نظر نہیں آیا، مثلاً:

مولوی محمد میاں کی کتاب ''علمائے ہند کا شاندار ماضی''

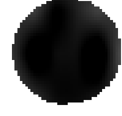
مفتی عبدالرحمٰن کی ''تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی'' وغیرہ

● ـــــ بعض حضرات نے فاضل بریلوی سے متعلق کتابوں پر تنقید کے بہانے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ مثلاً:

مولانا ظفرالدین بہاری کی تالیف ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' جلد اول پر مولوی محمد سلیمان بدایونی کی تنقید جو سہ ماہی ''العلم'' کراچی کے شمارے ۸ ۷ ۱۳ھ / مارچ ۱۹۵۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔ فاضل تنقید نگار نے کتاب پر کم اور فاضل بریلوی کی شخصیت پر زیادہ تنقید فرمائی ہے ـــــ افسوس اہل علم تابناک سیرت کو داغدار بنا رہے ہیں۔

تذکرہ علمائے ہند کے مترجم نے فاضل بریلوی کے حالات کے ضمن میں

''حیات اعلیٰ حضرت'' کی طرف قارئین کو متوجہ کرتے ہوئے اس تنقید کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو ''حیات اعلیٰ حضرت'' پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔ جب یہ تنقید خود محتاجِ تنقید ہے تو اسکا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں۔



فاضل بریلوی پاک و ہند کی جانی پہچانی شخصیت ہیں لیکن بعض نے تو اس کے باوجود بھی نہ جانا، اور بعض نے جانا پہچانا مگر جاننے پہچاننے کا حق ادا نہ کیا —— جاننے پہچاننے کے مختلف مدارج ہیں:

- —— سن کر جاننا،
- —— دیکھ کر جاننا،
- —— ساتھ بیٹھ کر زندگی کے کچھ لمحات گزار اور
- —— پرکھ کر جانا پہچانا،

جنہوں نے سن کر جانا، ان میں ایک طبقہ ایسا ہے جو فاضل بریلوی کے متعلق صرف اس قدر سننا چاہتا ہے کہ اس کی غلط فہمیوں کی تائید ہوتی رہے اور بس۔ زیادہ بات کرنا نہیں چاہتا —— مگر ان سننے والوں میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جن کو ذوق و شوق کشاں کشاں ان کے قدموں تک لے گیا۔ پھر انہوں نے علم الیقین سے گزر کر عین الیقین کی منزل میں قدم رکھا اور حق الیقین حاصل کیا۔

انہی حضرات میں ایک بزرگ مولوی مفتی عبدالسنان صاحب مدرس مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد، پٹنہ ہیں۔ مولانا ظفرالدین بہاری کے نام ایک مکتوب محررہ ۱۳۴۶ھ / ۲۱ دسمبر ۱۹۲۷ء میں فاضل بریلوی کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

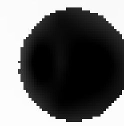
''اعلیٰ حضرت کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ تو آفتابِ شریعت و ماہتاب طریقت ہیں —— دنیا کا کون سا خطہ اور مقام ہے جو آپ کی علمی ضوفشانیوں

سے محروم رہا ہو ـــــــ دوست تو دوست، دشمن کو بھی آپ کے تبحر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا۔ سچ ہے:

والفضل ماشهدت به الاعداء

علمائے عصر و فضلائے دہر خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کی تحقیقات و تدقیقات کے سامنے ہی سر تسلیم خم کرتے تھے ـــــــ ہندوستان تو ہندوستان، علمائے مکہ و مدینہ (زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً) روم و شام، مصر و یمن سب ہی کو آپ کے علم و فضل کا مداح پایا ـــــــ مجھ حقیر کو بھی ۱۳۲۹ھ کے موسم بہار میں زیارت کا موقع ملا۔

یوں تو عرصہ دراز سے آپ کے رسائل مفیدہ و تحریراتِ انیقہ دیکھا کرتا تھا، اور جزئیاتِ فقہ پر اعلیٰ حضرت کو جو ید طولیٰ حاصل تھا، اس کا قائل بھی تھا۔ اور در حقیقت انہی رسائل و تحریرات نے زیارت کا ولولہ بھی اس فقیر کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔''[1]



ایک اور جلیل القدر عالم کا حال سنئے، جو عہد حاضر کے زبردست فقیہہ تھے۔ یعنی مولانا سراج احمد صاحب (م۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) ستر سال درس دیا اور فتویٰ نویسی کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ـــــــ مولانائے موصوف فرماتے تھے کہ طالب علمی کے زمانے میں یہ بات ذہن میں بٹھادی گئی تھی کہ:

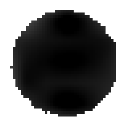
''مولوی احمد رضا خاں کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے ـــــــ اور ان کی تصنیفات کو تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں۔''

لوگوں سے ان کے تبحر علمی کی باتیں سن رکھی تھیں۔ جس کو ہمارے حلقے میں مریدین و معتقدین کے غلو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ حسن اتفاق کہ رسالہ میراث کی تالیف کے وقت ایک مسئلے میں الجھن پیدا ہوگئی۔ علماء دہلی، دیوبند، سہارن پور کو لکھا مگر شافی جواب نہ ملا ـــــــ ناچار

[1] ظفر الدین بہاری، علامہ: حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص ۲۰۵، مطبوعہ کراچی

مولوی احمد رضا خاں کو بھی لکھا۔انہوں نے بڑا مدلل اور مشرح جواب عنایت فرمایا جس سے پوری تشفی ہوگئی اور شکوک وشبہات رفع ہوگئے ——— اس جواب نے مولانا سراج احمد صاحب پر جو تاثرات قائم کیے وہ انہی کے الفاظ میں سنیے:

''اس جواب کو دیکھنے کے بعد مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کے متعلق میرا انداز فکر یکسر بدل گیا۔ اور ان کے متعلق ذہن میں جمائے ہوئے تمام خیالات کے تارو پود بکھر گئے ——— اور ان کے رسائل اور دیگر تصانیف منگوا کر پڑھے تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد ونظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں۔''[۱]



مولانا سراج احمد نے اپنے مکتوب بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری میں مولوی نظام الدین احمد پوری (وہابی) کا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے، کہ ایک مسئلے کے سلسلے میں جب انہوں نے فاضل بریلوی کے رسالہ:

''الفضل الموهبی وفی معنی اذامح الحدیث فهو مذهبی''

کے چند اوراق منازل حدیث کے سنائے تو انہوں نے بصد حیرت واستعجاب فرمایا:

''یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے ——— افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بےخبر و بےفیض رہا۔''

پھر جب چند مسائل فقہ کے جوابات ''رسائل رضویہ'' سے سنائے تو فرمایا:

''علامہ شامی اور صاحب ''فتح القدیر'' مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔''[۲]

یہ اس عالم کے الفاظ ہیں جو معاصرین علماء دیو بند میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہ سمجھتے تھے۔ لیکن فاضل بریلوی کے تبحر کا علم ہوا تو فراخ دلی سے اعتراف فرمایا۔

۱۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ: سوانح سراج الفقہاء، ص ۳۳، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ: سوانح سراج الفقہاء، ص ۳۴

●

جنہوں نے جاننے پہچاننے کی کوشش ہی نہ کی ان سے تو صرف یہی شکایت ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں نہ کیا ——— مگر زیادہ شکایت ان حضرات سے ہو سکتی ہے جنہوں نے جاننے پہچاننے کے باوجود حقِ معرفت ادا نہ کیا ——— چاہیے تو یہ تھا کہ:

● ——— اپنے محبوب قائد کے علمی کارناموں کو اجاگر کرتے اور ان کی شہرت کو چار چاند لگاتے

● ——— ایسا منظم طریق تعلیم رائج کرتے جس سے قابلِ فخر فضلاء پیدا ہوتے۔

● ——— شعبۂ تصنیف و تالیف میں بلند مقام حاصل کرتے۔

● ——— مدارس دینیہ اور سکولوں کالجوں میں نئی پود کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے۔

● ——— تاریخ و تذکرہ کی طرف خاطر خواہ توجہ دیتے۔

● ——— مختلف اطراف سے الحاد و بے دینی کے اٹھنے والے سیلاب کے استیصال کے لیے پورے نظم و ضبط سے کام کرتے۔

مگر افسوس کہ نظم و ضبط کے فقدان کی وجہ سے کسی طرف بھی معتدبہ کام نہ ہو سکا۔
——— ضرورت ہے کہ مشترکہ کوششوں سے ایک ایسا مرکزی ادارہ قائم کیا جائے جو فاضل بریلوی کی ان تصانیف کی طرف خصوصی توجہ دے، جو ان کی ہمہ گیر شخصیت و علمیت کی مظہر ہیں، کم از کم پاکستان میں یہ ممکن ہے، صرف جذبۂ ایثار و قربانی کی ضرورت ہے ——— بعض ادارے جزوی طور پر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دو ایک ادارے تو بہت صاف ستھرے کام کر رہے ہیں۔ لیکن انفرادی کوشش سے اجتماعی کوششیں بدرجہا بہتر ہیں ——— مادی منافع کا خیال دل سے نکال دیا جائے اور فاضل بریلوی کے پیغام کی اشاعت کو مقصود بنا لیا جائے تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔[1]

[1] تقدیم "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

امام احمد رضا پر تحقیق کی ضرورت کیوں؟

امام احمد رضا پر تحقیق کی ضرورت اس لیے محسوس کی جا رہی ہے کہ:

- ——وہ سوادِ اعظم اہلِ سنت کے علم بردار ہیں۔
- ——ان کے جذبے میں بڑا خلوص ہے،
- ——ان کے فکر میں بڑی گہرائی ہے۔
- ——اس وقت عالم اسلام کو ان کی ضرورت ہے،
- ——انہوں نے عشق مصطفےٰ ﷺ کو ملت کی فکری اساس قرار دیا،
- ——ان کے نزدیک زندگی عشق مصطفےٰ ﷺ سے عبارت ہے۔

جب تک یہ عشق ہمارے رگ و پے میں نہیں سماتا، ہم زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہیں—— ایک زندہ ہزار مردوں پر بھاری ہے—— قرآنِ حکیم نے زندگی کے اس فلسفے کو بتایا—— ہم زندہ ہو گئے تو کوئی مار نہیں سکتا—— ہماری بدبختی کی انتہا ہے کہ ہم نصاریٰ سے آس لگائے بیٹھے ہیں اور نصاریٰ کی دوستی پر فخر کرتے ہیں—— ان کی اداؤں کو اپناتے شرم نہیں آتی—— محمد مصطفےٰ ﷺ کی اداؤں کو اپناتے شرم آتی ہے—— ہم گمراہی کی کس ظلمت میں گم ہو گئے—— امام احمد رضا نے ستر سال قبل ملت اسلامیہ کو خبردار کیا تھا:

"نصاریٰ اور یہود و ہنود سب ملت اسلامیہ کے بدخواہ ہیں۔

- ——ان سے دوستی نہ کرنا،
- ——ان کو اپنا نہ سمجھنا،
- ——ان کو راز دار نہ بنانا،

جس نے ان کو خیر خواہ سمجھا، اس نے ٹھوکر کھائی۔"

امام احمد رضا کی نظر میں جمالِ مصطفےٰ ایسا سمایا ہوا ہے کہ نظروں میں کوئی جچتا ہی نہیں —— ان کے نزدیک ہماری ساری توانائیاں اور ہمارا جینا مرنا سب محمد مصطفےٰ ﷺ کے لیے

ہے۔کیا خوب فرمایا:

ع دھن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

امام احمد رضا نے اس حقیقت کو سنجیدگی سے محسوس کیا کہ ملت اسلامیہ کو دامنِ مصطفےٰ سے وابستہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو آج اسلام کا درد رکھنے والا ہر دانشور محسوس کر رہا ہے ـــــ امام احمد رضا نے ہر اس فکر کے خلاف جہاد کیا جو حضور انور ﷺ کو ایک عام انسان کی صف میں کھڑا کرنے کی کوشش کر رہا تھا، آج بھی دین کے لبادے میں بہت سی جماعتیں اس کوشش میں مصروف ہیں ـــــ امام احمد رضا نے سقوطِ سلطنت اسلامیہ کے فوراً بعد،

- ـــــ پست ہمت مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے،
- ـــــ ان کے دلوں کو عشق مصطفےٰ کی گرمی سے گرمایا،
- ـــــ اور اسی دولت عشق کا احساس دلا کر کم مائیگی کا احساس مٹایا،
- ـــــ امام احمد رضا نے ایک بھرپور تحریک چلائی۔

آج کے تاریک دور میں اسی جذبہ عشق کی ضرورت ہے۔ جو کمزوروں کو توانا، مغلوبوں کو غالب، محکوموں کو حاکم اور غلاموں کو بادشاہ بنادیا کرتا ہے ـــــ امام احمد رضا عاشقوں کے سردار اور اس سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے علم بردار تھے جو کبھی پورے عالم اسلام پر چھایا ہوا تھا ـــــ ایک زمانہ تھا جب مسلمانانِ پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں اہل سنت و جماعت کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ سات سو برس پہلے کے دینی ماحول کا اپنے ایک شعر میں یوں نقشہ کھینچتے ہیں:

ع زہے ملک مسلماں خیز دیں ہوئے
کہ ماہی نیز سنی خیزد از جوئے

یعنی ''واہ، ہندوستان کیسا مسلماں خیز اور اسلام کے متلاشیوں اور شیدائیوں کا

ملک ہے۔ یہاں تو نہر سے مچھلی بھی نکلتی ہے تو وہ بھی سنی ہوتی ہے۔''

اور تقریباً چار سو برس پہلے کی دینی فضا کا حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ یوں ذکر فرماتے ہیں:

''تمام سکانِ آں از اہل اسلام بر عقیدۂ حقہ اہل سنت و جماعت اند نشانے از اہل بدعت وضلالت دراں دیار پیدا نیست وطریقہ مرضیہ حنفیہ دارند۔''

(ردّ روافض، ص ۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء)

یعنی ''ہندوستان کے تمام باشندے عقیدۂ اہل سنت و جماعت رکھتے ہیں اور اس ملک میں بدعتیوں اور گمراہوں کا نام ونشاں تک نہیں، سب کے سب حنفی ہیں۔''

ان حقائق وشواہد سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ چند صدیاں پہلے پاک و ہند اور بنگلہ دیش کی دینی فضا کیسی تھی ——— اور اب جو حال ہے، آپ کے سامنے ہے۔ گویا یہ ممالک ایک چراگاہ ہیں جہاں ہر کوئی چرتا پھرتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بدعتی اور بدعقیدہ کے متعلق جو اظہار خیال فرمایا ہے۔ امام احمد رضا ندوۃ العلماء کے سُنی عالم محمد علی مونگیری کے نام ایک مکتوب میں اس کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب علیہ الرحمہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس میں عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں، حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''فساد مبتدع زیادہ از فساد صحبت صد کافر است''۔[۱]

امام احمد رضا ہر بدعتی اور بدعقیدہ کو کافر و مشرک سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ زندگی بھر اہل سنت و جماعت کے عقائد کی حفاظت کرتے رہے۔ عقیدہ ہی فکری اتحاد کی بنیاد ہے، یہ بکھر گیا تو ملت بکھر گئی ——— دشمنانِ اسلام نے رخنے ڈال کر ملت اسلامیہ کو

۱۔ مکتوبات امام احمد رضا، ص ۹۰، ۹۱، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء

ٹکڑیوں میں تقسیم کرنا شروع کیا ـــــــ امام احمد رضا ہر تقسیم کے خلاف تھے ـــــــ وہ اتحاد عالم اسلامی کے داعی تھے ـــــــ جب کارروان لٹ رہا تھا، وہ لوٹنے والوں کا تعاقب کر رہے تھے اور لٹنے والوں کے دامن کھینچ کھینچ کر بلا رہے تھے ـــــــ سیدھے راستے سے ہٹ کر نئی نئی راہیں بنانے والوں کا پیچھا کر رہے تھے ـــــــ امام احمد رضا کے زمانے میں ظاہر ہونے والی تمام نئی نئی تحریکوں کے نتائج آج ہمارے سامنے آچکے ہیں ـــــــ ان نتائج کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا کے فکر و تدبر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ـــــــ کوئی صاحب ہمت جوانِ صالح اس طرف متوجہ ہو ـــــــ امام احمد رضا کے فکر و تدبر کے عظیم ذخیرے جس کو "فتاویٰ رضویہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کھنگالیں ـــــــ اس خداداد دانش کا خود نظارہ کریں اور دوسروں کو نظارہ کرائیں ـــــــ آج ہم کو امام احمد رضا کی ضرورت ہے ـــــــ وہ دلوں کی آواز ہیں، وہ وقت کی پکار ہیں۔

ع　　تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!

ایک فعال ادارے کی ضرورت:

فی الحقیقت امام احمد رضا کی شخصیت پر کام کرنے کے لیے ایک فعال ادارے کی ضرورت ہے۔ فرد واحد کے بس کی بات نہیں کہ وہ امام احمد رضا کے ہمہ گیر افکار و کردار پر تحقیق کا حق ادا کر سکے۔ امید ہے کہ پاک و ہند کے علمی ادارے اس طرف متوجہ ہوں گے، اور گزشتہ نصف صدی تک جو غفلت برتی گئی اس کی تلافی کریں گے۔ امام احمد رضا کے مومنانہ افکار اور محققانہ نگارشات میں عالم اسلام کے لیے بہت کچھ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہمارے محققین کو ذوق جستجو عطا فرمائے۔ آمین! ۲

۱۔ تقدیم "محدث بریلوی" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء

۲۔ تقدیم "رسالہ علم لوگارثم" مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۰ء

ذاتی مطالعہ سے راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جب تک ایسا سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ قائم نہیں ہو جاتا جہاں مختلف علوم وفنون کے ماہرین جمع ہو کر امام احمد رضا پر کام کریں کوئی جامع تحقیق ممکن نہیں۔ ویسے جزوی طور پر پاک وہند اور بیرونی ممالک میں کام ہو رہا ہے۔ مگر انفرادی کوششوں سے اجتماعی کوشش بدرجہا بہتر ہے۔[۱]

دعوت عام:

راقم کے خیال میں پاکستان اور ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ فراخ دلی سے کام لے کر حضرت رضا بریلوی کا مطالعہ ضرور کریں، اور پھر اگر علم وادب اور فضل وکمال میں یگانہ روزگار پائیں تو اس طرف متوجہ ہوں۔ ایسی پہلو دار شخصیت پر ایک نہیں بیسیوں عنوانات مل جائیں گے۔

ع مجبور یک نظر آ، مختار صد نظر جا[۲]

امام احمد رضا کے مخالفین سے بھی مودبانہ گزارش ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے امام احمد رضا کے افکار وخیالات اور تنقیدات کا مطالعہ کریں اور جذباتی انداز فکر کو ترک کر دیں اور ان کے افکار سے اسی طرح استفادہ کریں جس طرح وسیع القلبی کے ساتھ محمد انور شاہ کشمیری نے استفادہ کیا تھا ——— امام احمد رضا کے اس جذبہ صادق کو پہچاننے کی کوشش کریں، جس نے ان کو وطن میں غریب الوطن بنا دیا تھا۔ آخر وطن میں انہوں نے غربت کیوں اختیار کی؟ ——— کیا اپنے نفس کے لیے یہ سب کچھ کیا یا اسلام کے لیے ——— کوئی دیوانہ ایسا نظر نہیں آتا جو خواہ مخواہ خود کو ہلاکت میں ڈالے اور زمانے بھر کی رسوائیاں مول لے ——— دانش مندی کا تقاضا ہے کہ اسلام کے ایسے سچے شیدائی کے احوال وواقعات ہر تعصب سے بالاتر ہو کر مطالعہ کیے جائیں۔[۳]

۱۔ تقدیم "ذکرم امام احمد رضا" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

۲۔ تقدیم "امام نعت گویاں" مطبوعہ ساہیوال ۱۹۷۷ء

۳۔ تقدیم "تنقیدات وتعاقبات امام احمد رضا" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

حاصل کلام:

میں اہل سنت وجماعت (مسلک بریلوی) سے عرض کروں گا کہ افہام وتفہیم کے دو طریقے ہیں:

● ــــ ایک عارفانہ، اور

● ــــ دوسرا جارحانہ۔

راقم کے خیال میں جارحانہ طریقے سے عارفانہ بدرجہا بہتر وموثر ہے ــــ جارحانہ طرز تبلیغ وارشاد سے افادیت مجروح ہوتی ہے، اور جس کو سمجھانا چاہتے ہیں، وہ جذباتی طور پر اتنا گھائل ہو چکا ہوتا ہے کہ اس میں سمجھنے کی سکت وقوت باقی نہیں رہتی ــــ برخلاف عارفانہ طرز تبلیغ کے جو سراسر مفید اور موثر ہے کہ جس کو سمجھانا چاہتے ہیں وہ جذباتی طور پر سمجھنے کے لیے تیار ہوتا ہے، اور نصیحت وتلقین اس کے دل میں گھر کرتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے اگر جارحانہ انداز ترک کر کے عارفانہ انداز اختیار کیا جائے تو یہ مسلک وملت اور انسانیت کی خدمت ہوگی ــــ اس وقت جارحانہ انداز سے صرف مادی فوائد اور نفسانی سکون کی امید کی جاسکتی ہے، کوئی اخلاقی یا روحانی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ امام احمد رضا نے جو کردار ادا کیا، وہی تھا جو ایک ماہر سرجن کا۔ پھر دوسروں کا فرض ہے کہ مریض کی کماحقہ تیمارداری اور دلداری کریں اور اصلاح کی کوشش کریں۔[1]

اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا ''آدم ساز'' بھی تھے اور ''انسان گر'' بھی۔ ان کو ملت اسلامیہ کا نجات دہندہ کہنا بجا طور پر درست ہے۔

● ــــ جب دلوں کو ویران کیا جا رہا تھا،

● ــــ جب ملت کا شیرازہ منتشر کیا جا رہا تھا،

امام احمد رضا دلوں کو آباد کر رہے تھے، ملت کی شیرازہ بندی کر رہے تھے ــــ انہوں نے

---

[1] تقدیم ''تنقیدات وتعاقبات امام احمد رضا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

جوانانِ ملت کو ایک نیا ولولہ دیا، ایک نیا عزم دیا، ایک نیا حوصلہ دیا، ذہنی غلامی سے آزاد کر کے نئے جمال کی خبر سنائی۔

زندہ باد اے احمد رضا! ۱

ضرورت ہے کہ علماء اہل سنت و جماعت کی شاندار تاریخ کو مورخانہ انداز میں یکجا کیا جائے نئی نسل کو ان کے افکار و خیالات سے آشنا کیا جائے، اور ان کی بے مثال سیاسی خدمات سے روشناس کرایا جائے۔ لیکن اس کوشش میں مقابلے اور مسابقت کا جذبہ کارفرما نہ ہونا چاہیئے۔ مقصد صرف علمی اور تاریخی ہونا چاہیے۔ ۲

لیکن اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ سبب کا تعلق مسبب سے ہوتا ہے اور معلول کا تعلق علت سے ہوتا ہے۔ جب تک سبب ختم نہیں ہوتا، مسبب ختم نہیں ہو سکتا اور جب تک علت ختم نہیں ہوتی معلول ختم نہیں ہو سکتا۔

- ——— آگ ہے تو جلن رہے گی،
- ——— خار ہے تو کھٹک رہے گی،
- ——— درد ہے تو کسک رہے گی،

یہ خلافِ عادت ہے کہ:

- ——— آگ رہے، جلن نہ رہے،
- ——— خار رہے، کھٹک نہ رہے،
- ——— درد رہے، کسک نہ رہے۔

رنجش و بددلی کے اصل اسباب و علل کی خاطر اپنی ہستی مٹانے کی ضرورت ہے۔

فریقین میں محبت و اخوت اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب ایک فریق فاضل بریلوی

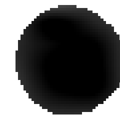
۱۔ تقدیم "امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں" مطبوعہ جہلم ۱۹۸۶ء

۲۔ تقدیم "امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات" مطبوعہ مبارک پور، بھارت ۱۹۸۵ء

کی تصانیف کو ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کرے اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب شائستہ طریقے پر فاضل بریلوی کا تعارف کرایا جائے۔[1]

الغرض امام احمد رضا نے اپنی مومنانہ بصیرت سے جو کچھ سوچا اور سمجھا اور کہا وہ اس قابل ہے کہ اسلامی تاریخ و سیاست کے مورخین و محققین دل سے تمام عصبیتوں کو نکال کر اس طرف توجہ دیں۔ امام احمد رضا کے افکار عالیہ میں عالم اسلام کے لیے بہت کچھ ہے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس پوشیدہ خزانے کو عالم آشکار کریں۔

قوم روشن از سواد سرگزشت — خودشناس آمد زیاد سرگزشت
سرگزشت او چو از یادش رود — باز اندر نیستی گم می شود
ضبط کن تاریخ را پاینده شو
از نفس ہائے رمیدہ، زندہ شو[2] (اقبال)



[1] تقدیم "خیابان رضا" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء

[2] تقدیم "دوام العیش" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

کتابیات

کُتب:

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: فاضل بریلوی اور ترک موالات، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

احمد رضا خاں: الاستمداد، مطبوعہ فیصل آباد، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: عاشق رسول، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

اختر الحامدی، مولانا: امام نعت گویاں، مطبوعہ ساہیوال ۱۹۷۹ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تحریک آزادئ ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

محمد مصطفےٰ رضا خاں، مفتی: الملفوظ، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء

احمد رضا خاں، امام: رسالہ علم لوگارثم، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء

احمد رضا خان، امام: دوام العیش، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: گناہ بے گناہی، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء

محمد مرید احمد چشتی، مولانا: خیابانِ رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: دائرہ معارف امام احمد رضا، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: امام احمد رضا اور عالم اسلام، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء

حسنین رضا خاں، مولانا: سیرت اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تنقیدات وتعاقبات امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حیات امام اہل سنت، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء

شمس بریلوی، علامہ: امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۸۴ء

محمد یاسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، مطبوعہ مبارکپور ۱۹۸۵ء

حسن رضا خاں، ڈاکٹر: فقیہ اسلام، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء

انجم اشرف نظامی، خواجہ: امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں، مطبوعہ جہلم ۱۹۸۶ء

احمد رضا خاں، امام: شریعت و طریقت، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: رہبر و رہنما، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء

محمد نور المصطفیٰ، صاحبزادہ، ذکر رضا، مطبوعہ خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ ۱۹۸۷ء

عبد المجتبیٰ رضوی، مولانا: تذکرہ مشائخ رضویہ، مطبوعہ بنارس ۱۹۸۹ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: جانِ ایمان، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

فیاض احمد خاں کاوش، پروفیسر: مختصر سوانح امام اہل سنت، مطبوعہ صادق آباد ۱۹۸۹ء

وجاہت رسول قادری، سید: مجید اللہ قادری، پروفیسر: آئینہ رضویات، جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۸۹ء

انجم اشرف نظامی، خواجہ: ثنائے مصطفیٰ بہ انداز عبد مصطفیٰ، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء

محمد مکرم احمد، مفتی: فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی جائزہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۰ء

کوثر نیازی، مولانا: امام احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: گویا دبستان کھل گیا، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ: البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

محمد ابراہیم خوشتر صدیقی، علامہ: تذکرہ جمیل، مطبوعہ بریلی ۱۹۹۱ء

محمد عبد اللہ قادری، سید: حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

ارشد القادری، علامہ: تسہیل انوار احمدی، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر: امام احمد رضا کی نثر نگاری، مطبوعہ بریلی ۱۹۹۲ء

محمد احمد مصباحی، علامہ: تعارف حاشیہ جد الممتار علی الرد المحتار، مطبوعہ مبارک پور ۱۹۹۲ء

محمد عبد الرحمٰن قادری رضوی، سید: افتائے حرمین کا تازہ عطیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء

شاہد علی نورانی، سید: امام احمد رضا کی علمی خدمات، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: محدث بریلوی، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

محمد عبد الستار طاہر: آئینہ رضویات، جلد دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

محمد فیض احمد اویسی، علامہ: شرح حدائق بخشش (جلد اول) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

صابر حسین بخاری، سید: امام احمد رضا اور تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

لیاقت علی نیازی، ڈاکٹر: قرآن، سائنس اور امام احمد رضا، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

غلام مصطفےٰ خاں، پروفیسر ڈاکٹر: مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری، مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۹۴ء

اقبال احمد اختر القادری، علامہ: بات میری نہیں بات ہے زمانے کی، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء

احمد رضا خاں، امام: مالک و مختار نبی، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء

محمد ہارون، پروفیسر ڈاکٹر: امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

محمد عبد الستار طاہر: آئینہ رضویات، جلد سوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: خوب و ناخوب، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

اقبال احمد اختر القادری، علامہ: امام احمد رضا بریلوی اور حکومت پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء

مجید اللہ قادری، پروفیسر ڈاکٹر: محمد مسرور احمد، صاحبزادہ: امام احمد رضا اور حضرات نقشبندیہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی (جدید ایڈیشن) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: امام احمد رضا اور عالم اسلام، طبع دوم، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۰ء

وجاہت رسول قادری، سید: نعت گوئی میں امام احمد رضا کا مقام، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۱ء

محمد حنیف رضوی، علامہ۔ جامع الاحادیث، مطبوعہ گجرات، (بھارت) ۲۰۰۱ء

احمد رضا خاں، امام: القادیانیۃ (مجموعہ رسائل) مطبوعہ قاہرہ مصر، ۲۰۰۲ء

محمد عارف قادری ضیائی، شیخ: سیدی ضیاء الدین احمد قادری (غیر مطبوعہ)

محمد عبدالستار طاہر: آئینہ رضویات (جلد چہارم)، زیر تدوین

مکتوبات: (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد):

بنام سید محمد عبداللہ قادری، محررہ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۸۶ء

بنام محمد عبدالستار طاہر، محررہ ۲۰/ مارچ ۱۹۹۰ء

اس مقالے کی تیاری کے
دوران فاضل بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت
کے مختلف گوشے سامنے آئے کہ آنکھیں کھل
گئیں، خیال آیا کہ "جو کچھ دیکھا ہے اس کا
آئینہ اوروں کو بھی دکھاؤں اور دکھانے
کے لئے کچھ اور دیکھ لوں"

(پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)

IDARA-I-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMAD RAZA
INTERNATIONAL PAKISTAN

اس مقالے کی تیاری کے
دوران فاضل بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت
کے مختلف گوشے سامنے آئے کہ آنکھیں کھل
گئیں، خیال آیا کہ "جو کچھ دیکھا ہے اس کا
آئینہ اوروں کو بھی دکھاؤں اور دکھانے
کے لئے کچھ اور دیکھ لوں"

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

IDARA-I-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMAD RAZA
INTERNATIONAL PAKISTAN